سورہ یٰسٓ

آیاتہا ۸۳ ۳۶ سورۃ یٰسٓ مکیۃ ۴۱ رکوعاتہا ۵

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اس کی تراسی (83) آیات ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ انصار کے خاندان بنی سلمہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوا جب انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں آجائیں جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ابوداؤد میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے مردوں پر سورۂ یٰسٓ پڑھو(1)'' آجری نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس میت پر سورۂ یٰسٓ پڑھی جاتی ہے اس پر معاملہ آسان کر دیا جاتا ہے(2)۔ مسند دارمی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی رات بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر سورۂ یٰسٓ پڑھی اسے اسی رات بخش دیا جاتا ہے(3)''۔ اسے ابونعیم حافظ نے نقل کیا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان لکل شیٔ قلبا وقلب القرآن یٰسٓ ومن قرأ یٰسٓ کتب اللہ لہ بقرأتھا قرأۃ القرآن عشر مرات(4)۔ ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ ہے جس نے سورۂ یٰسٓ پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے کی وجہ سے اسے دس دفعہ قرآن پڑھنے کا ثواب دے گا۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے اس کی سند میں ہارون بن محمد مجہول ہے۔ اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے جبکہ سند کے اعتبار سے ان کی حدیث صحیح نہیں اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خبردار! قرآن میں ایک سورت ہے یہ اپنے پڑھنے والوں کے حق میں شفاعت کرتی ہے، اس کے سننے والے کو بخش دیا جاتا ہے۔ خبردار! وہ سورۂ یٰسٓ ہے اسے تورات میں معمہ کہتے ہیں''۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ معمہ کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ اپنے قاری کو دنیا کی ہر بھلائی پہنچانے والی ہے اور یہ آخرت کی تمام ہولناکیوں سے دور کرنے والی ہے، اسے دافعہ اور قاضیہ بھی کہتے ہیں''۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کس طرح؟ فرمایا: ''وہ اپنے قاری سے ہر برائی کو ختم کرتی ہے، اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتی ہے جس نے اس سورت کی قراءت کی یہ سورت اس کے بیس حجوں کے برابر ہو جائے گی، جس نے اسے سنا اس کے لئے ایک ہزار دیناروں کے برابر ہو جائے گی جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، جس نے اسے لکھا اور اسے پی لیا تو اس کے پیٹ میں ہزار

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب القرأۃ عند المیت، جلد 2، صفحہ 89

2۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 563، حدیث نمبر 42186

3۔ شعب الایمان للبیہقی، جلد 2، صفحہ 480، حدیث نمبر 2464

4۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی یٰس، جلد 2، صفحہ 112

دوائیاں، ہزار نور، ہزار یقین، ہزار رحمتیں، ہزار شفقتیں، ہزار ہدایتیں داخل کی جائیں گی اور اس سے ہر بیماری اور ہر گناہ، کھوٹ کو دور کر دیا جائے گا'' اسے ثعلبی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسند روایت کیا ہے (1)۔

مسند دارمی میں شہر بن حوشب سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''جس نے صبح کے وقت سورۂ یٰس پڑھی تو اسے شام تک آسانی دے دی جائے گی جس نے رات کے شروع میں اسے پڑھا تو اسے صبح تک رات کی آسانی دے دی جائے گی''۔

نحاس نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہر شے کا دل ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰس ہے جس نے دن کے وقت اسے پڑھا تو یہ اس کے کاموں کے لیے کافی ہو جائے گی جس نے رات کے وقت اسے پڑھا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

شہر بن حوشب نے کہا اہل جنت صرف سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰس پڑھتے ہیں۔ دارمی نے ان تینوں روایات کو مرفوع نقل کیا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل یٰس ہے جس نے اسے کسی رات میں پڑھا تو اسے اس رات کی آسانی دے دی جاتی ہے جس نے اسے دن کے وقت پڑھا تو اسے اس دن کی آسانی دے دی جائے گی، جنتیوں سے قرآن اٹھا لیا گیا ہے وہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰس کے علاوہ کوئی چیز نہیں پڑھتے'' (2)۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے سورۂ یٰس رات کے وقت پڑھی وہ صبح تک خوش خوش رہے گا جس نے صبح کے وقت اسے پڑھا تو وہ شام تک خوش خوش رہے گا (3)۔ جس نے اس کا تجربہ کیا تھا اس نے مجھے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ ثعلبی اور ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں عبدالاعلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں محمد بن صلت نے عمرو بن ثابت سے وہ محمد بن مروان سے وہ ابو جعفر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جس کے دل میں سختی ہو تو وہ زعفران سے کسی جام میں سورۂ یٰس لکھے اور اسے پی لے۔

مجھے میرے والد نے انہوں نے اصرم بن حوشب سے وہ بقیہ بن ولید سے وہ معمر بن اشرف سے وہ حضرت محمد بن علی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا قرآن ہر چیز سے افضل ہے قرآن حکیم کی باقی کلاموں پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر فضیلت ہے، جس نے قرآن کی عزت کی اللہ تعالیٰ اسے عزتیں دے گا جس نے قرآن کی عزت نہ کی اللہ تعالیٰ اسے عزتوں سے نہیں نوازے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کی حرمت اس طرح ہے جس طرح اولاد کے ہاں والد کی حرمت ہوتی ہے، قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 335 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 35 3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 445

شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایسا جھگڑا کرنے والا ہے جس کی تصدیق کی جاتی ہے قرآن جس کے حق میں شفاعت کرے اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور جس کے حق میں جھگڑا کرے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ جو آدمی اسے امام بنائے قرآن اسے جنت کی طرف لے جاتا ہے اور جو اسے اپنے پیچھے رکھے وہ اسے جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن کے حاملین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گھرے ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا نور زیب تن کرایا جاتا ہے انہیں کلام اللہ کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان لوگوں سے دوستی کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی جس نے ان سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عزت کرکے اس کی دعوت پر لبیک کہو اللہ تعالیٰ تمہاری محبت میں اضافہ فرمادے گا۔ اپنے بندوں کے ہاں تمہیں محبوب بنادے گا۔ قرآن سننے والے سے دنیا کی آزمائش دور کردے گا اور قرآن کی تلاوت کرنے والے سے آخرت کی آزمائش دور فرمادے گا جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت کو سنا تو یہ عمل عرش سے لے کر تحت الثری تک جو کچھ ہے، اس سے اس کے لیے بہتر ہوگا۔ کتاب اللہ میں ایک سورت ہے جسے عزیزہ کہتے ہیں قیامت کے دن اس کے پڑھنے والے کو شریف کے نام سے یاد کیا جائے گا اس کی تلاوت کرنے والے کی شفاعت ربیعہ اور مضر قبیلہ کے افراد سے زیادہ افراد کے حق میں قبول کی جائے گی وہ سورۂ یٰس ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے جمعہ کی رات سورۂ یٰس پڑھی تو وہ صبح اس حالت میں کرے گا کہ اس کی بخشش کی جاچکی ہوگی''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو قبرستان میں داخل ہوا اس نے سورۂ یٰس پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس روز اہل قبور سے عذاب میں تخفیف فرمائے گا اور پڑھنے والے کے لیے اس کے حروف کی تعداد کے برابر نیکیاں ہونگی''۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰسٓ ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ؕ تَنۡزِيۡلَ الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ۙ

''اے سید (عرب وعجم) قسم ہے قرآن حکیم کی بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں یقیناً آپ راہ راست پر ہیں نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم) عزیز (اور) رحیم نے''۔

يٰسٓ ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ۙ یٰس میں قراءت کی کئی صورتیں ہیں۔ اہل مدینہ اور نسائی نے نون کو واو میں ادغام کر کے پڑھا ہے۔ ابو عمرو، اعمش اور حمزہ نے یٰس کو نون کے اظہار کے ساتھ پڑھا ہے عیسیٰ بن عمر نے یٰسینَ یعنی نون کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن ابی اسحاق اور نصر بن عاصم نے اسے نون کے کسرہ کی ساتھ پڑھا ہے۔ ہارون اعور اور محمد بن سمیقع نے یٰسینُ نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ پانچ قراءتیں ہیں۔ پہلی قراءت ادغام کے ساتھ ہے جس

طرح لغت عربیہ میں ضروری ہے کیونکہ نون کو واو میں مدغم کیا جاتا ہے جس نے ادغام کے بغیر پڑھا ہے اس نے کہا: حروف ہجاء کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر وقف کیا جائے ادغام تو درمیان کلام میں ہوتا ہے وقف پر نہیں ہوتا۔

سیبویہ نے نصب کا ذکر کیا ہے اور نصب دو وجوہ سے ذکر کی ہے: (1) ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ مفعول ہے وہ اسے منصرف قرار نہیں دیتے کیونکہ اس کے نزدیک یہ عجمی لفظ ہے اور ہابیل کے قائم مقام ہے تقدیر کلام یہ ہے اذکر یٰسٓ سیبویہ نے اسے سورت کا نام بنا دیا ہے (2) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مبنی بر فتحہ ہے جیسے کیف اور این ہے۔ جہاں تک کسرہ کا تعلق ہے فراء نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ عربوں کے قول: جیرِ افعل کے مشابہ ہے اس سورت میں یس قسم ہوگی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ امسِ، حذامِ، ھولاءِ اور رقاشِ کے مشابہ ہے۔ جہاں تک اس کے مضموم ہونے کا تعلق ہے تو اس صورت میں یہ منذ، حیث اور قط کے مشابہ ہے اور منادی مفرد کے مشابہ ہے جب تو کہے: یا رجل جو آدمی اس پر وقف کرتا ہے ابن سمیقع اور ہارون نے کہا: اس کی تفسیر میں یا رجل کہا ہے، مناسب اس پر ضمہ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے کہا یہ سورت کا آغاز ہے تو اس کے لیے وقف کرنا اچھا ہے جس نے کہا: یٰسٓ کا معنی یا رجل تو اس پر وقف نہ کرے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اے انسان، اللہ تعالیٰ کا فرمان: سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ (الصافات) کے بارے میں کہا یعنی آل محمد پر سلامتی ہو (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ سورت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اس کی دلیل اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ہے سید حمیری نے کہا:

یانفس لاتمحضی بالنصح جاھدۃً علی المودۃ الا آل یاسین (2)

اے نفس! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی سے محبت کرنے میں نصیحت کو خالص نہ کر جبکہ تو کوشش کرنے والا ہو۔

ابوبکر وارق نے کہا: اس کا معنی ہے اے سید البشر! ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ امام مالک کا قول ہے، اشہب نے ان سے روایت کیا ہے۔ کہا: جس نے آپ سے پوچھا کیا کسی کے لیے مناسب ہے کہ اپنا نام یاسین رکھ لے؟ فرمایا: میں تو اسے مناسب خیال نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ میرا نام یٰسٓ ہے ابن عربی نے کہا: یہ بہت عمدہ کلام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے رب کے اسماء میں سے ایسا نام رکھ لے جبکہ اس بندے میں اس کا معنی موجود ہو جس طرح عالم، قادر، سید اور متکلم ہے امام مالک نے یٰسٓ نام رکھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے جس کا معنی معلوم نہیں بعض اوقات کوئی ایسا وصف ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ یکتا ہوتا ہے تو اس لیے یہ جائز نہیں کہ بندہ اس پر آگے بڑھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ (الصافات)

ہم اس کا جواب دیں گے: یہ حروف تہجی کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لیے اس کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے یہ یٰسٓ ایسا اسم ہے جس کے ہجے نہیں لکھے گئے؛ امام مالک نے اس کے بارے میں یہی گفتگو کی ہے کیونکہ اس میں اشکال موجود ہے؛ اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 341 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 445

بہتر جانتا ہے۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ الله تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز یاء اور سین کے ساتھ کیا ہے ان دونوں میں خیر ہی خیر ہے شروع کرنے والے کی اس پر راہنمائی کی گئی ہے کہ یہ سورت دل ہے اور دل جسم کا امیر ہے اسی طرح یٰسٓ تمام دوسری سورتوں کی امیر ہے تمام قرآن کے معانی پر مشتمل ہے۔

علماء نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا: یہ حبشہ کی لغت کا لفظ ہے۔ شعبی نے کہا: یہ بنوطی کی لغت کا لفظ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ بنوکلب کی لغت کا لفظ ہے۔ کلبی نے کہا: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، عربوں نے اپنی زبان میں اسے استعمال کیا تو یہ ان کی لغت کا ایک لفظ بن گیا۔ یہ بحث سورۂ طٰہٰ اور کتاب کے مقدمہ میں مفصل گزر چکی ہے۔ قاضی عیاض نے یٰسٓ کے معنی کے متعلق مفسرین کے اقوال اچھی طرح بیان کیے ہیں ابومحمد مکی نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میرے، میرے رب کے ہاں دس نام ہیں ان میں سے طٰہٰ اور یٰسٓ کا ذکر کیا۔

میں نے کہا: ماوردی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''الله تعالیٰ نے قرآن حکیم میں میرے سات ناموں کا ذکر کیا ہے محمد، احمد، طٰہٰ، یٰس، مزمل، مدثر اور عبدالله (1)'' یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی نے امام جعفر صادق رحمۃ الله علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ الله تعالیٰ نے اس سے یہ ارادہ کیا ہے اے سید! اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یٰس کا معنی ہے اے انسان! اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا ہے، کہا: یہ قسم ہے اور یہ الله تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے؛ زجاج نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے محمد! ایک قول یہ کیا گیا: اے مرد! ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! ابن حنفیہ سے مروی ہے یٰسٓ سے مراد ہے اے محمد! کعب سے مروی ہے یٰسٓ سے مراد قسم ہے الله تعالیٰ نے زمین و آسمان کے تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کے ساتھ قسم اٹھائی فرمایا: اے محمد! تو مرسلین میں سے ہے پھر فرمایا: وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ۔ اگر یہ مقدر کیا جائے کہ یہ الله تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور یہ صحیح ہو کہ یہ قسم ہے تو اس میں تعظیم کا پہلو موجود ہو گا اس پر دوسری قسم کا جو عطف کیا گیا ہے اس کے ساتھ پہلی قسم کو مؤکد کیا گیا ہے اگر یہ ندا کے معنی میں ہو تو اس کے بعد قسم اس لیے آئی ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر گواہی دی جائے الله تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف وحی کی، آپ ایمان کے صراط مستقیم پر ہیں یعنی یہ ایسا راستہ ہے جس میں کوئی کمی نہیں اور حق سے کوئی اعراض نہیں۔ نقاشی نے کہا: الله تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی رسالت کے لیے قسم نہیں اٹھائی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عظمت اور شرف کا اظہار ہے۔ یہ تعبیر اس کے مطابق ہے جس نے اس کی یہ تاویل کی یا سید کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں (2)'' ان کی گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 5

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر فی سورۂ اسراء، جلد 2، صفحہ 143

قشیری نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: قریش کے کفار نے کہا تو مرسل نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف مبعوث نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر فرمایا: آپ رسولوں میں سے ہیں۔ حکیم کا معنی محکم ہے یہاں تک کہ باطل اور تناقض لاحق نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (ہود: 1)

اسی طرح یہ قرآن نظم اور معنی میں محکم ہے اسے کوئی خلل لاحق نہیں ہوتا بعض اوقات لفظ حکیم اللہ تعالیٰ کے حق میں محکم کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح الیم، مؤلم کے معنی میں ہوتا ہے۔

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی دین مستقیم پر ہوتا ہے اس سے مراد اسلام ہے۔ زجاج نے کہا: اس سے مراد ہے آپ سابقہ انبیاء کے طریقہ پر ہیں۔ کہا: لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ان کی خبر ہے (1) اور عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دوسری خبر ہے یعنی آپ رسولوں میں سے ہیں اور آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنہیں استقامت پر بھیجا گیا تو اس صورت میں عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، الْمُرْسَلِيْنَ کا صلہ ہوگا، یعنی آپ ان رسولوں میں سے ہیں (2) جنہیں صراط مستقیم پر بھیجا گیا تھا؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ) یعنی اللہ تعالیٰ کا راستہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ابن عامر، حفص، اعمش، یحییٰ، حمزہ، نسائی، اور خلف نے تنزیل پڑھا ہے یعنی یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یہ ہے۔ نزّل اللہ ذالک تنزیلا (3) مصدر کو مضاف کیا تو وہ معرفہ ہوگیا جس طرح یہ قول ہے: فَضَرْبَ الرِّقَابِ (محمد: 4) یہ اصل میں ضرباللرقاب تھا باقی قراء نے تنزیل کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی تقدیر کلام یہ ہوگی ھو تنزیل یا تقدیر یہ ہوگی الذی انزل الیک تنزیل العزیز الرحیم (4)۔ اس نقطہ لطیفہ کو محفوظ کرلو۔ اسے تنزیلِ کرکے بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ قرآن سے بدل ہوگا اور تنزیل قرآن کی طرف لوٹے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہا ہے معنی یہ بنے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز و رحیم کی تنزیل ہیں، اس صورت میں تنزیل، ارسال کے معنی میں ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا (الطلاق) یہ جملہ بولا جاتا ہے: أرسل اللہ المطر وانزلہ۔ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کی۔ جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ہیں جسے عزیز و رحیم کی جانب سے بھیجا گیا ہے الْعَزِيْزِ یعنی اپنے مخالف سے انتقام لینے والا۔ الرَّحِيْمِ اہل اطاعت پر رحیم ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝

''تاکہ آپ ڈرا سکیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لیے وہ غافل

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 272　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

ہیں۔ بے شک (ان کے پیہم کفر و عناد کے باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں''۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ اکثر علماء تفسیر کے نزدیک ما کا اعراب میں کوئی محل نہیں، ان میں سے قتادہ بھی ہیں کیونکہ یہ نافیہ ہے(1) تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جسے آپ سے قبل کسی ڈرانے والے نے نہیں ڈرایا، یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: ما اور فعل مصدر ہیں تقدیر کلام یہ ہوئی لتنذر قوما ماانذار آبائھم۔ ایک قول یہ کیا گیا: ما، الذی کے معنی میں ہے(2) معنی یہ ہوگا آپ انہیں ڈرائیں جس طرح ان کے آبا کو ڈرایا گیا۔ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ عربوں کو تواتر سے انبیاء کی خبریں پہنچی ہوں معنی یہ ہوگا انہیں میں سے کسی رسول میں سے انہیں نہ ڈرایا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ انہیں خبر تو پہنچی ہو لیکن انہوں نے غفلت کی ہو، اعراض کیا ہو اور وہ بھول گئے ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس قوم کو خطاب ہو جن تک کسی نبی کی خبر نہ پہنچی ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ؀ (سبا) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؀ (القصص) یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ جس نے یہ کہا ان تک انبیاء کی خبریں پہنچیں تو اس کا معنی ہوگا وہ اب اعراض کرنے والے ہیں اس سے جان بوجھ کر غافل بنتے ہیں۔ جو آدمی کسی چیز سے اعراض کرتا ہے اسے غافل کہتے ہیں: ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے غافل ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ؀ یعنی ان میں سے اکثر پر عذاب ثابت ہو چکا ہے وہ آپ کے خبردار کرنے پر ایمان نہیں لائیں گے یہ پھر ان لوگوں کے بارے میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی تھا کہ وہ کفر پر مریں گے(3)۔ پھر انہوں نے جو ایمان ترک کیا اس کا سبب ذکر کیا فرمایا: اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت ابوجہل بن ہشام اور اس کے دو مخزومی ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی اس کی وجہ یہ بنی، ابوجہل نے قسم اٹھائی اگر اس نے (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ان کا سر پتھر سے کچل دے گا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ مارنے کے لیے گیا، پتھر اٹھایا، جب پتھر مارنے کا قصد کیا تو اس کا ہاتھ گردن کی طرف لوٹ آیا اور پتھر اس کی گردن کے ساتھ چمٹ گیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو جو کچھ دیکھا وہ بتایا۔ ایک آدمی جس کا نام ولید بن مغیرہ تھا اس نے کہا: میں اس کا سر کچل دوں گا۔ وہ پتھر مارنے کے لیے آیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو سن رہا تھا مگر دیکھتا نہیں تھا وہ اپنے ساتھیوں کی

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 272　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً، جلد 6-5، صفحہ 273

طرف لوٹا مگر اپنے ساتھی بھی نظر نہیں آئے یہاں تک کہ انہوں نے اسے ندا دی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اسے دیکھا نہیں، اس کی آواز سنی ہے۔ تیسرے نے کہا: میں اس کا سر پیس دوں گا پھر پتھر اٹھایا وہ چلا پھر پچھلے پاؤں واپس پلٹا یہاں تک کہ اپنی گدی کے بل گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا اسے کہا گیا: تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میرا معاملہ بڑا عظیم ہے میں نے اسے دیکھا جب میں اس کے قریب ہوا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نر اونٹ اپنی دنب ہلا رہا ہے میں نے اس جیسا بڑا نر کبھی بھی نہیں دیکھا وہ میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا لات وعزی کی قسم! اگر میں اس کے قریب ہوتا تو وہ مجھے کھا جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے یوں پڑھا ہے انا جعلنا فی ایمانهم۔ زجاج سے اسے انا جعلنا فی ایدیهم پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قراءت تفسیر ہے۔ مصحف کے برعکس قراءت نہیں کی جائے گی جماعت کی قراءت میں کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں گی انا جعلنا فی أعناقهم وفی أيديهم أغلالا فهي إلى الأذقان عرب اس قسم کے الفاظ کو حذف کر دیتے ہیں اس کی مثل سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) تقدیر کلام یہ ہوگی وسرابیل تقیکم العبرد تو اس کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ جو چیز گرمی سے بچاتی ہے وہ سردی سے بچاتی ہے کیونکہ طوق جب گردن میں ہوتا ہے تو لازماً ہاتھ میں ہوتا ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ اس سے مراد ہاتھ ہیں پس وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوں گے وہ انہیں نیچے کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے کیونکہ جس کا ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے ساتھ جکڑا ہوا ہو تو اس کا سر بلند ہوتا ہے۔

عبداللہ بن یحییٰ سے مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے انہیں الاقماح کا طریقہ بتایا آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی داڑھی کے نیچے رکھا دونوں کو ساتھ چمٹایا اور اپنے سر کو اوپر اٹھایا (1)۔ اس لفظ کے معنی کی تعبیر میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں سے یہ ذی شان ہے، یہ معنی اس چیز سے ماخوذ ہے جو اصمعی نے ذکر کیا ہے اس نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اقمحت الدابة جب تو اس کی لگام کو کھینچے تاکہ اپنے سر کو اوپر اٹھائے۔ نحاس نے کہا: قاف، کاف سے بدلا ہوا ہے کیونکہ یہ اس کا قریبی لفظ ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: قهرته، کهرته۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اکمحت الدابة۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کی لگام کھینچے یہاں تک کہ وہ اپنا سر اوپر اٹھا لے، اسی معنی میں یہ قول ہے: والراس مكمح سر اوپر اٹھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ جملے بولے جاتے ہیں اکمحتها، اکفحتها اور کبحتها۔ سب کا معنی ایک ہے کبحتها باب افعال کے وزن پر نہیں، اصمعی سے یہ بھی مروی ہے قمح البعير قموحا جب اونٹ حوض پر اپنے سر کو اٹھا لے اور وہ پانی پینے سے رک جائے، اسی سے بعیر قامح اور قمح ہے یہ بھی جملہ بولا جاتا ہے: شرب فتقمح وانقمح دونوں کا معنی ایک ہے جب وہ اپنا سر اٹھا لے اور سیراب ہونے کی وجہ سے پانی پینے سے رک جائے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقد قامحت إبلك جب وہ پانی پر وارد ہو اور پانی نہ پیئے اس نے اپنا سر کسی بیماری کی وجہ سے اٹھا لیا یا سردی کی وجہ سے ایسا کیا اس کے ساتھ یوں صفت بھی ذکر کی جاتی ہے ابل مقامحة، بعير مقامح، ناقة مقامح اس کی جمع خلاف قیاس قماح آتی ہے: بشر کشتی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

ونحن على جوانبها قعودٌ　نَغُضّ الطرفَ كالإبل القِمَاحِ (2)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 447
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 8

''ہم کشتی کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے ہم آنکھیں بند کیے ہوئے تھے جس طرح وہ اونٹ آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو پانی پینے سے رک جاتے ہیں''۔ اقماح کا معنی سر اٹھانا اور آنکھیں بند کرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقمحہ الغلّ جب وہ تنگی کی وجہ سے اپنا سر اوپر کو اٹھالے، شہر قماح ایسا مہینہ جس میں سخت سردی ہوتی ہے وہ دونوں دسمبر اور جنوری ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اونٹ جب پانی پر وارد ہوتا ہے تو پانی کی ٹھنڈک اسے اذیت دیتی ہے تو وہ اپنا سر اوپر کو اٹھالیتا ہے اسی سے ایک جملہ قمحت السویق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان فرمائی ہے کہ وہ ہدایت سے یوں رکے ہوئے ہیں جس طرح وہ آدمی رکا ہوتا ہے جس کے گلے میں طوق ڈالا گیا ہو؛ یہ یحییٰ بن سلام اور ابو عبیدہ نے کہا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان حمار یعنی وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ جس طرح شاعر نے کہا:

لھم عن الرشد اغلال واقیاد

ہدایت پانے میں انہیں طوق اور بیڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ذؤیب دور جاہلیت میں ایک عورت سے محبت کرتے تھے جب وہ مسلمان ہو گئے تو اس عورت نے انہیں بہلانا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے:

فلیس کعھدِ الدار یا أم مَالِکٍ ولکن أحاطت بالرقاب السلاسل

وعاد الفتی کالکھلِ لیس بقائلٍ سِوی العدل شیأ فاستراح العوذِلُ

انہوں نے یہ کہنا چاہا تھا کہ اسلام کے احکام نے ہمیں بدکاری اور فسق سے روک دیا ہے۔ فراء نے بھی یہی کہا ہے: یہ ضرب المثل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہمیں روک دیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ (الاسراء: 29) یہ ضحاک کا قول بھی ہے

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حق کو قبول کرنے سے تکبر میں اس طرح ہو گئے ہیں جس طرح وہ آدمی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں طوق ہے اور اسے اس کی گردن کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہو وہ ہمہ وقت سر اٹھائے ہی رہتا ہے وہ اسے جھکا نہیں سکتا وہ اپنی آنکھ بند رکھتا ہے وہ اسے کھولتا نہیں۔ متکبر کی صفت بھی اسی چیز کے ساتھ لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنی گردن کھڑی کیے ہوئے ہے۔ ازہری نے کہا: جب ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں تو ان طوقوں نے ان کی ٹھوڑیوں کو اوپر اٹھا دیا جبکہ ان کے سر سیدھے کھڑے ہیں جس طرح وہ اونٹ ہوتے ہیں جو اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں یہ رکاوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔ ایک قوم کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی وجہ سے سزا کے طور پر توفیق سلب کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا جائے گا کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور بیڑیاں ہوں گی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ (غافر: 71) ماضی کے لفظ کے ساتھ اسے تعبیر فرمایا یعنی فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا۔

مُّقْمَحُوْنَ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: مُّقْمَحُوْنَ کا معنی ہے انہیں ہر بھلائی سے روک دیا گیا ہے۔

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۹

وَ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪

''اور ہم نے بنادی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ تو صرف اس کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمٰن سے بن دیکھے پس مژدہ سنایئے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا''۔

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا مقاتل نے کہا: جب ابوجہل اپنے ساتھیوں کے پاس گیا جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ پایا تھا اور پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا تو بنی مخزوم کے ایک اور آدمی نے پتھر اٹھایا اور کہا: میں اسے اس پتھر کے ساتھ قتل کروں گا جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو بے نور کر دیا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکا وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا تو وہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکا یہاں تک کہ ساتھیوں نے اسے ندا دی؛ آیت کا یہ معنی ہے۔

محمد بن اسحاق نے اپنی روایت میں کہا: عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے ابوجہل اور امیہ بن خلف بیٹھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاڑ میں تھے تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچا سکیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نکلے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یس پڑھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں مٹی بھی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف وہ مٹی پھینکی اور پڑھا وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا انہوں نے سر نیچے کر لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزر گئے۔ سورۂ سبحان میں اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے سورۂ کہف میں سَدًّا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ سدا سین کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یہ دونوں اس کی لغتیں ہیں۔

فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور یحییٰ بن نعیم نے اسے فاعشیناھم پڑھا ہے(1)۔ یہ عشا سے عین کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے اس کی نظر کمزور ہے وہ رات کو نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر نے کہا:

متی تاته تعشوال ضوء ناره

جب تو اس کے پاس آتا ہے تو تو اس کی آگ کی روشنی سے اندھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ (الزخرف:36) دونوں الفاظ کے معنی قریب قریب ہیں معنی ہے ہم نے انہیں اندھا کر دیا جس طرح شاعر نے کہا:

ومن الحوادثِ لا أَبَالَكَ أَنَّنِي ضُرِبَتْ علی الأرض بالأسْدَادِ

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 274

لاأهتدى فيها لموضع تَلْعَةٍ بين العُذَيْبِ وبينَ أرضِ مُرَادِ

تیرا باپ نہ رہے حوادثات زمانہ میں سے یہ بھی ہے کہ مجھ پر زمین پہاڑوں کے ساتھ پھینک دی گئی ہے ان میں میں عذیب اور مراد کے علاقہ کے درمیان تلعہ کی جگہ کو نہیں پاتا۔

وہ ہدایت کو نہیں دیکھ سکتے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ ضحاک نے کہا: آیت میں مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا سے مراد دنیا ہے اور وَّ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا سے مراد آخرت ہے یعنی وہ دوبارہ اٹھائے جانے سے اندھے ہو گئے اور دنیا میں شرائع کو قبول کرنے سے اندھے ہو گئے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَیَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوۡا لَهُمۡ مَّا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مَا خَلۡفَهُمۡ (حم سجدہ: 25) یعنی ان شیطانوں نے ان کے لیے دنیا کو مزین کیا اور آخرت کو جھٹلانے کی دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا: مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا سے مراد ہے دنیا کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا ہونا اور مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا سے مراد آخرت کو جھٹلانا۔ ایک قول کیا گیا ہے: مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سے مراد آخرت ہے اور مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سے مراد دنیا ہے۔

وَ سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ سورۂ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ آیت قدریہ اور دوسرے لوگوں کا رد کرتی ہے۔

ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے غیلان قدری کو طلب کیا پوچھا: اے غیلان! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو تقدیر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! لوگ مجھ پر جھوٹ بولتے ہیں پھر کہا: اے امیر المومنین! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آپ نے نہیں دیکھا: اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ٭ۖ نَّبۡتَلِیۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ۝ اِنَّا هَدَیۡنٰهُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا ۝ (الدہر) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا: اے غیلان! آگے پڑھو یہاں تک کہ اس نے فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیۡلًا ۝ (المزمل) تک پڑھا۔ فرمایا: آگے پڑھو تو اس نے وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الدہر: 30) تک پڑھا کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! میں جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اے غیلان! سورۂ یٰسین کا ابتدائی حصہ پڑھو تو اس نے پڑھا یہاں تک کہ وہ اس حد تک پہنچا وَ سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ غیلان نے کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! گویا میں نے اس سے قبل کبھی بھی اسے نہیں پڑھا، اے امیر المومنین! گواہ رہیے میں توبہ تائب ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو اس پر نظر رحمت فرما اور اسے ثابت قدم رکھ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اس آدمی کو مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اسے مومنوں کے لیے نشانی بنا دے۔ ہشام نے اسے پکڑ لیا اور غیلان کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیئے اور اسے سولی پر لٹکا دیا۔ ابن عون نے کہا: میں نے اسے دمشق کے دروازے پر سولی پر لٹکا ہوا دیکھا ہم نے اس سے پوچھا: اے غیلان! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے ایک صالح شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بددعا لگی ہے۔ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّ اَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ۝

ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی اس پر عمل کیا۔ بِالْغَیْبِ سے مراد جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آگ سے غائب ہوا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہوئے اور تنہا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسے گناہ کی بخشش اور جنت کی بشارت دیجئے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ؕ وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۟۠

''بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں ان کے اعمال کو جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے ان آثار کو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں''۔

(1) اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے مقصود کافروں کا رد ہے۔ ضحاک اور حسن نے کہا: ہم انہیں جہالت کے بعد ایمان کے ساتھ زندہ کرتے ہیں (1)۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے ہم جزا کے لیے بعث کے ساتھ انہیں زندہ کریں گے پھر تمام اعمال لکھنے کے ساتھ انہیں دھمکی دی۔

(2) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا شمار کئے ہوئے ہے اور انسان جو کچھ کرتا ہے اسے شمار کئے ہوئے ہے۔ قتادہ نے کہا: یعنی اس نے جو عمل کیا۔ مجاہد اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ۟ؕ (الانفطار) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۟ؕ (القیامۃ:13) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:18) انسان کے اعمال جو باقی رہیں گے اور جنہیں ذکر کیا جائے گا خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں اس پر انہیں بدلا دیا جائے گا اچھا عمل جیسے علم جس کی اس نے تعلیم دی، جیسے کتاب جو اس نے تصنیف کی، وقف جو اس نے وقف کیا یا ایسی عمارت جو انہوں نے بنائی وہ مسجد ہو، سرائے اور پل وغیرہ۔ یا برا عمل ہو جس طرح کوئی ایسا ٹیکس ہو جو کسی ظالم حکمران نے مسلمانوں پر لگایا ہو یا ایسی گلی جو اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بنائی ہو یا کوئی ایسی چیز جو اس نے مسلمانوں کو ذکر سے روکنے کے لیے بنائی ہو جس طرح گانے بجانے کے مراکز، لہو ولعب کے میدان اسی طرح ہر اچھی سنت اور بری سنت جس پر عمل کیا جاتا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ نشانات ہیں جو مسجد کی طرف پیدل آنے والوں کے قدموں سے بنتے ہیں؛ اس آیت کا یہی معنی حضرت عمر، حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیان کیا ہے (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ وَ اٰثَارَهُمْ کا معنی ہے مساجد کی طرف جاتے ہوئے ان کے قدم۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے ان سب میں سے یہ بہترین معنی ہے کیونکہ نحاس نے کہا: یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انصار کے مکانات مسجد سے دور تھے ایک حدیث مرفوع میں ہے: یکتب له برجل حسنة وتحط

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 343

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ باب الابعد فالابعد من المسجد اعظم اجرا، حدیث نمبر 776، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عنه برجل سيئة ذاهبا و راجعا إذا خرج إلى مسجد ایک قوم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک قدم پر ایک برائی مٹادی جاتی ہے یہ صورت مسجد آتے اور جاتے ہوئے ہوتی ہے جب وہ مسجد کی طرف نکلے۔

میں کہتا ہوں: ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنوسلمہ مدینہ طیبہ کی ایک جانب رہتے تھے انہوں نے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں" تو وہ مسجد کے قریب منتقل نہ ہوئے (1)۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے اور ثوری سے مروی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنوسلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آجائیں جگہ بھی خالی تھی، یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو ارشاد فرمایا: "اے بنوسلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں" انہوں نے کہا: ہم منتقل ہوتے تو یہ چیز ہمیں خوش نہ کرتی (2)۔

ثابت بنانی نے کہا: میں حضرت انس بن مالک کے ساتھ نماز کی طرف نکلا تو میں نے جلدی کی تو انہوں نے مجھے روک لیا جب نماز ختم ہوگئی تو کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روک لیا جب نماز ختم ہوگئی تو فرمایا: "کیا تو نہیں جانتا کہ یہ قدم لکھے جاتے ہیں (3)" آیت کا مصداق بھی یہی ہے۔

قتادہ، مجاہد اور حسن بصری نے کہا: اس آیت میں آثار سے مراد قدم ہیں۔ ثعلبی نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آثار سے مراد جمعہ کی طرف جانے والے قدم ہیں (4)۔ آثار کا واحد اثر ہے اسے اثر بھی کہتے ہیں۔

(3) یہ احادیث جو آیات کی تفسیر بیان کرتی ہیں ان میں اس امر پر دلیل ہے کہ مسجد سے دوری افضل ہے۔ اگر کوئی آدمی مسجد کے پڑوس میں ہو تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مسجد سے دور چلا جائے اس میں اختلاف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ قضائے حاجت کی جگہ دور اختیار کرے۔ دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ جو آدمی مسجد سے جتنا دور ہوگا اس کا اجر اتنا ہی بڑا ہوگا حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے اسے مکروہ جانا ہے کہا: وہ مسجد کے پڑوس کو نہ چھوڑے کیونکہ کوئی دوسرا آجائے گا؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ اپنی مسجد کو چھوڑ کر بڑی مسجد میں جانے میں دو قول ہیں: (1) ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آدمی کا اپنے گھر کے قریب والی مسجد میں نماز ایک نماز ہے اور قبائل کی مسجد میں ایک نماز پچیس نمازیں ہیں اور وہ نماز جو جامع مسجد میں پڑھی جائے وہ پانچ سو نمازیں ہیں" (5)۔

(4) دیارکم، اغراء کے طریقہ پر منصوب ہے یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑو۔ نکتب امر کے جواب کے طور پر مجزوم ہے۔ کُلَّ کا لفظ فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے جس پر اَحْصَیْنٰهُ دلالت کرتا ہے گویا کلام یوں ہے واحصینا کل شئ

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۂ یٰسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب فضل الصلوٰۃ المکتوبۃ، جلد 1، صفحہ 235

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 448

4۔ ایضاً

5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیہا، باب ما جاء فی الصلوٰۃ فی المسجد الجامع، جلد 1، صفحہ 103

احصیناہ۔ اسے مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ مبتدا بن سکتا ہے تاہم نصب دینا بہتر ہے تاکہ فعل جس پر عمل کر رہا ہے اس کا اس پر عطف کیا جائے جس پر فعل نے عمل کیا؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا قول ہے۔ الامام سے مراد وہ کتاب ہے جس کی اقتدا کی جاتی ہے وہ حجت ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ابن فرید نے کہا: امام سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اس سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

''اور بیان فرمایئے ان کے سمجھانے کے لیے مثال اس گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں ہمارے رسول۔ جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی انہیں ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے انہیں کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ بستی والوں نے کہا: نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند اور نہیں اتاری رحمن نے کوئی چیز، نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ پیغام حق کھول کر پہنچا دیں۔ وہ کہنے لگے: ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں دردناک عذاب۔ رسولوں نے کہا: تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو حیرت ہے اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو''۔

خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے سامنے اصحاب قریہ کا واقعہ بیان کریں (1)۔ ماوردی نے بیان کیا ہے کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس بستی سے مراد انطاکیہ ہے یہ اہل انطیس کی طرف منسوب ہے یہ اس آدمی کا نام ہے جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا جب اسے عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس میں تبدیلی کر دی گئی؛ یہ قول امام سہیلی نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں ایک لفظ یہ بھی ہے ان تاکیہ یعنی طاء کی جگہ تاء ہے وہاں ایک بادشاہ تھا جسے انطیخس بن انطیخس کہا جاتا، وہ بتوں کی پوجا کیا کرتا تھا؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر نے اسے کعب اور وہب سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف تین رسولوں کو بھیجا وہ حضرت صادق، حضرت مصدوق اور حضرت شمعون تھے شمعون ہی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 10

تیسرا تھا؛ یہ طبری کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ حضرت شمعون اور حضرت یوحنا تھے۔ نقاشی نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت شمعون اور حضرت یحییٰ تھے دونوں نے حضرت صادق اور حضرت مصدوق کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مثلاً اور اصحاب قریہ، اضرب کے دونوں مفعول ہوں یا اصحاب قریہ، مثلا سے بدل ہو تقدیر کلام یوں ہوگی اضرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو اس عذاب سے ڈرائیں کہ ان مشرکوں پر وہ عذاب نازل ہو سکتا ہے جو اس بستی کے کفار پر نازل ہوا تھا جن کی طرف تین رسول بھیجے گئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسل من اللہ، مبتدا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان تین افراد کو انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا تا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بھیجنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے انہیں بھیجا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا تو لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے دونوں کو مارا اور دونوں کو قیدی بنالیا تو ہم نے تیسرے کے ساتھ انہیں قوت بخشی اور تیسرے کے ساتھ رسالت کو پختہ کیا۔

ابوبکر نے عاصم سے یہ قراءت نقل کی ہے فعززنا بثالث جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے قوت بخشی اور مضبوط کیا اس حساب سے دونوں قراءتیں ایک معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تخفیف کی صورت میں یہ غلبنا اور قھرنا کے معنی میں ہے اس معنی میں وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ (ص) تشدید قوینا اور کثرنا کے معنی میں ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے متلمس کے لیے شعر پڑھا:

أُجُدٌ إِذَا رَحَلَتْ تَعَزَّزَ لَحْمُهَا وَإِذَا تُشَدِّ بنسعها لا تَبْئِسُ

قصہ میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف دو قاصد بھیجے وہ ایک بوڑھے کو ملے جو اپنی بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا وہ حبیب نجار صاحب یس تھا دونوں نے اسے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں ہم تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اس نے دونوں سے معجزہ طلب کیا دونوں نے کہا: ہم مریض کو شفاء دیتے ہیں۔ اس حبیب نجار کا ایک بیٹا مجنون تھا، ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ بستر پر مریض پڑا تھا دونوں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اللہ کے حکم سے صحیح وسالم اٹھ کھڑا ہوا وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہی وہ آدمی تھا جو شہر کے دور دراز علاقہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا اس نے دونوں کے امر کو ظاہر کر دیا دونوں نے بہت سے لوگوں کو شفا عطا فرمائی۔

بادشاہ نے دونوں کو بلا بھیجا جبکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتا تھا تا کہ دونوں کے احوال کو سمجھے دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا: تمہاری نشانی کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادر زاد اندھوں، کوڑھ کے مریضوں کو اور دوسرے مریضوں کو اللہ کے حکم سے درست کرتے ہیں اور ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں بادشاہ نے ان کو مارنے کا ارادہ کیا۔ وہب نے کہا: بادشاہ نے دونوں کو گرفتار کر لیا اور دونوں کو سو کوڑے مارے یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے تیسرے قاصد کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ شمعون صفا تھا جو حواریوں کا سردار تھا دونوں کی

مدد کے لئے اسے بھیجا اس نے بادشاہ کے ہم نشین کے ساتھ راہ و رسم پیدا کیے یہاں تک کہ وہ ان کے ہاں ذیشان ہو گیا اور وہ لوگ اس سے مانوس ہو گئے انہوں نے اس کی بات بادشاہ تک پہنچائی وہ بھی اس سے مانوس ہو گیا پھر ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے ان دو افراد کو قید کر رکھا ہے جنہوں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تھی کاش! تو ان سے پوچھتا اس کا پس منظر کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا: غصہ میرے اور ان کے سوال کے درمیان غالب آ گیا تھا اس آدمی نے کہا: کاش! تو انہیں حاضر ہونے کا حکم دیتا؟ اس نے ایسا ہی کیا شمعون نے دونوں سے کہا: تم جو دعویٰ کرتے ہو اس پر دلیل کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادر زاد اندھوں کو اور برص کے مریضوں کو شفایاب کرتے ہیں۔ ایک ایسا لڑکا لایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان ہی نہ تھے اس کی آنکھوں کی جگہ ایسی تھی جس طرح پیشانی ہوتی ہے دونوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی تو آنکھ کی جگہ پھٹ گئی دونوں نے مٹی کے ڈھیلے لیے اور اس کے رخسار پر رکھ دیئے تو دونوں اس کی آنکھیں بن گئیں جن کے ساتھ وہ دیکھنے لگا۔ بادشاہ متعجب ہوا اس نے کہا: یہاں ایک لڑکا ہے جو سات دن پہلے فوت ہو گیا ہے میں نے اسے دفن نہیں کیا یہاں تک کہ اس کا باپ آئے کہا: کیا تمہارا رب اسے زندہ کر سکتا ہے؟ دونوں نے اعلانیہ دعا کی اور شمعون نے آہستہ دعا کی وہ مردہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: میں سات دن پہلے مر گیا تھا مجھے مشرک کی حیثیت سے پایا گیا مجھے آگ کی سات وادیوں میں داخل کیا گیا جس حالت پر ہوں اس سے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں پھر آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تو میں نے ایک خوبصورت چہرے والے جوان کو دیکھا جو ان تین افراد کے حق مین سفارش کر رہا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: یہ شمعون بھی انہیں کا ساتھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں یہ ان سے افضل ہے۔ شمعون نے لوگوں کو بتایا کہ اسے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف بھیجا تھا اس کی گفتگو بادشاہ پر اثر انداز ہوئی اس نے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی بادشاہ بے شمار لوگوں کے ساتھ مومن ہو گیا اور دوسرے بے شمار لوگوں نے کفر اختیار کیا۔

قشیری نے یہ ذکر کیا ہے کہ بادشاہ تو ایمان لے آیا تھا لیکن اس کی قوم مومن نہ ہوئی تھی، حضرت جبریل امین نے ایک چیخ ماری تو باقی ماندہ سب کافر مر گئے۔

یہ روایت کی گئی ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس بستی کی طرف جائیں تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم ان لوگوں کی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا کی تو اسی جگہ پر سو گئے وہ نیند سے اٹھے تو فرشتوں نے انہیں اٹھایا اور انطاکیہ میں جا پہنچایا تو ان میں سے ہر ایک ان کی زبان میں بات کر رہا تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرۃ: 87) کا یہی مفہوم ہے سب نے کہا: ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا: تم تو محض ہماری طرح انسان ہو تم کھانا کھاتے ہو اور بازاروں میں چلتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نازل نہیں کی جس کے ساتھ وہ حکم دے یا منع کرے تم تو اپنی رسالت کے دعویٰ میں جھوٹ بولتے ہو، رسولوں نے کہا: ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ

ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اگرچہ تم ہمیں جھٹلاؤ ہمارے ذمے تو یہ پیغام پہنچانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ لوگوں نے ان سے کہا: ہم نے تم سے فال بدلیا۔ مقاتل نے کہا: تین سال تک ان سے بارش روک لی گئی۔ لوگوں نے کہا: یہ تمہاری نحوست ہے۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: دس سال تک انہیں ڈراتے رہے لوگوں نے کہا: اگر تم ہمیں ڈرانے سے نہ رکے تو ہم تمہیں رجم کر دیں گے۔ فراء نے کہا: ہم تمہیں قتل کر دیں گے (1)۔ کہا: قرآن حکیم میں رجم سے مراد قتل کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد پتھر مار مار کر مار ڈالنا ہے۔ ایک قول یہ ہے: کہا گیا ہے اس کا معنی ہے ہم تمہیں گالیاں دیں گے۔ سب بحث پہلے گزر چکی ہے۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ سے مراد قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تکلیف دہ عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد قتل سے قبل تکلیف دہ عذاب ہے جیسے کھال اتارنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سولی پر لٹکانا۔ رسولوں نے کہا: خیر اور شر میں سے حصہ تمہارا ہے اور تمہاری گردنوں میں لٹکا ہوا ہے وہ سب کچھ ہماری نحوست کی وجہ سے نہیں؛ یہ معنی ضحاک نے بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارا رزق اور تمہارا عمل ہے، معنی ایک ہی ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے اطیرکم پڑھا ہے جو تطیرکم کے معنی میں ہے ائن ذکرتم قتادہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہوگی ان ذکرتم تطیرتم اس میں نو قراءتیں ہیں۔ اہل مدینہ نے اسے أین ذکرتم یعنی دوسرے ہمزہ میں تخفیف ہے اہل کوفہ نے أان دونوں ہمزوں کو ثابت رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں ہمزوں کے درمیان الف فاصل ہے کیونکہ دو ہمزوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے ہمزہ کے بعد الف ہے اور الف کے بعد ہمزہ مخففہ ہے۔ پانچویں صورت دو مفتوح ہمزوں کے درمیان الف ہے۔ چھٹی صورت یہ ہے دونوں مفتوح ہمزوں کو ثابت رکھا گیا ہے۔ فراء نے کہا: یہ قراءت ابورزین کی قراءت ہے۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اسے زر بن حبیش اور ابن سمیقع سے نقل کیا ہے۔ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں اس کی قراءت کی قالوا طائرکم معکم أینَ ذکرتم، این جو حیث کے معنی میں ہے۔ یزید بن قعقاع، حسن بصری اور طلحہ نے کہا: ذُکِرتم تخفیف کے ساتھ ہے۔ نحاس نے یہ سب اقوال ذکر کیے ہیں۔ مہدوی نے طلحہ بن مصرف اور عیسیٰ ہمدانی سے نقل کیا ہے آن ذکرتم یعنی مد کے ساتھ اسے پڑھا ہے کہ ہمزہ استفہام، ہمزہ مفتوحہ پر داخل ہوا ہے ماجشون نے کہا: ان ذکرتم ایک ہمزہ مفتوح کے ساتھ ہے، یہ نو قراءتیں ہیں۔ ابن ہرمز نے اسے طَيْرُكُمْ مَعَكُمْ، أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ پڑھا ہے کیونکہ انہیں نصیحت کی گئی، یہ نیا کلام ہے یعنی اگر تمہیں نصیحت کی جائے تو تم فال پکڑنے لگتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اس وقت فال بدلیا جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو دعوت دی تو انہوں نے وہ دعوت قبول نہ کی ان کا انجام ہلاکت ہے۔

قتادہ نے کہا: تم فال پکڑنے میں اسراف سے کام لینے والے ہو۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: تم اپنے کفر میں اسراف کرنے والے ہو۔ ابن بحر نے کہا: سرف سے یہاں مراد فساد ہے اس کا معنی ہے بلکہ تم لوگ فسادی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تم مشرک ہو (2)۔ اسراف کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے مشرک بھی حد سے تجاوز کرتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 276 2۔ ایضاً

وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰى قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

”دریں اثناء آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا اس نے کہا: اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں بنالوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ ہرگز نہیں اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔ (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر پس میرا اعلان سن لو۔ حکم ہوا: جا جنت میں داخل ہو جا، وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔ اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس کی شہادت کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے“۔

رَجُلٌ سے مراد حبیب بن مری ہے وہ بڑھئی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسکاف (جوتا) بنانے والا تھا۔ ایک قول کیا گیا: وہ دھوبی تھا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور مقاتل نے کہا: وہ حبیب بن اسماعیل نجار تھا وہ بت تراشا کرتا تھا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جبکہ درمیان میں چھ سو سال کا عرصہ ہے جس طرح تبع اکبر ورقہ بن نوفل اور دوسرے لوگ ایمان لائے کوئی فرد کسی نبی پر ایمان نہیں لایا تھا مگر اس وقت جب وہ نبی ظاہر ہو چکا تھا (1)۔

وہب نے کہا: حبیب کو جزام کا مرض تھا اس کا گھر شہر کے دروازوں میں سے آخری دروازے کے پاس تھا وہ ستر سال تک بتوں کی عبادت میں مصروف رہا اور دعا کرتا رہا ممکن ہے وہ بت اس پر رحم کریں اور اس کی تکلیف رفع کر دیں تو بتوں نے اس کی کوئی دعا قبول نہ کی۔ جب قاصدوں نے اسے دیکھا تو اسے اللہ کی طرف دعوت دی تو اس نے پوچھا: کوئی نشانی بھی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 10

ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم قادر رب کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو جو تکلیف تجھے لاحق ہے اللہ تعالیٰ اسے تجھ سے دور کردے گا پوچھا: وہ ایک دن میں کیسے اس تکلیف کو دور فرمادے گا؟ انہوں نے کہا: ہاں ہمارا رب جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے، یہ بت تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان کرسکتے ہیں۔ وہ ایمان لے آیا۔ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تکلیف کو رفع کردیا گویا اسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں پھر وہ اپنی کمائی کی طرف متوجہ ہوا جب اس نے شام کی تو اپنی کمائی کو صدقہ کردیا اس نے نصف اپنے عیال کو کھلایا اور نصف صدقہ کیا۔ جب اس کی قوم نے قاصدوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا: بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو۔ قتادہ نے کہا: وہ ایک غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا جب اس نے بھیجے گئے افراد کے بارے میں سنا تو وہ دوڑتا ہوا آیا تو اس نے بھیجے گئے افراد سے کہا: تم جو کچھ لائے ہو اس پر اجر بھی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ابو عالیہ نے کہا: اسے ان کی صداقت کا یقین ہوگیا اور وہ ان پر ایمان لے آیا اور اپنی قوم کی طرف اس قول کے ساتھ متوجہ ہوا: اے میری قوم! ان بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو، ان کی اتباع کرو جو کوئی اجر طلب نہیں کرتے اگر یہ جھوٹے ہوتے تو تم سے اجر طلب کرتے، وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

قتادہ نے کہا: اس کی قوم نے پوچھا: تو ان لوگوں کے دین پر ہے؟ تو جواب دیا: مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں اس کی اتباع نہ کروں کیونکہ تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ ان کے خلاف اس کی طرف سے حجت قائم کرنا تھا۔

فطرت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر نعمت ہے جو شکر اور دوبارہ اٹھائے جانے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ وہ وعید ہے جو اجر کا تقاضا کرتی ہے گویا نعمت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا یہ شکر کو زیادہ نمایاں کرنے والا ہے اور دوبارہ اٹھائے جانے کو کافر کی طرف منسوب کرنا شر میں زیادہ بلیغ ہے (1)۔

اٰلِهَةً سے مراد بت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے یعنی جو اسے بیماری لگی ہے تو ان بتوں کی شفاعت کچھ نفع نہ دے گی اور وہ مجھے آزمائش سے چھٹکارا نہ دلا سکیں گے اور میں ایسا کروں تو میں واضح خسارے میں ہوں گا، میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میرے گواہ بن جاؤ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے بھیجے گئے افراد سے خطاب کیا کہ وہ انکے رب پر ایمان لے آیا ہے۔ اور **فَاسْمَعُوْنِ** کا معنی ہے تم میرے ایمان لانے پر گواہ بن جاؤ۔ کعب اور وہب نے کہا: اس نے یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی میں تمہارے اس رب پر ایمان لایا ہوں جس کا تم نے انکار کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس نے اپنی قوم سے کہا ان بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو، تم اس کی پیروی کرو جو تم سے اجر کا سوال نہیں کرتے تو لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا: تو نے ہمارے دشمنوں کی پیروی کی ہے۔ اس نے ان کے ساتھ گفتگو کو طویل کیا تا کہ اس کے ذریعے بھیجے گئے افراد کے قتل سے انہیں غافل کردے یہاں تک کہ اس نے کہا: **اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ** تو وہ اس پر جھپٹ پڑے اور اسے قتل کردیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے اسے اپنے پاؤں سے روند ڈالا یہاں تک کہ اس کی انتڑیاں اس کی دبر سے

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 277

نکل آئیں اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا، وہی رس ہے وہ اصحاب رس ہیں (1)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے: لوگوں نے ان تینوں افراد کو قتل کر دیا۔ سدی نے کہا: انہوں نے اسے پتھر مارے جبکہ وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہاں تک کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا (2)۔ کلبی نے کہا: انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اس میں اسے ڈال دیا اور اس پر مٹی ڈال دی اور وہ مٹی کے نیچے دب کر مر گیا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اسے آگ میں جلا دیا (3) اسے شہر کی فصیل سے لٹکا دیا اس کی قبر انطاکیہ کی دیوار میں ہے؛ یہ ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ قشیری نے کہا: حضرت حسن بصری نے کہا: جب قوم نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان کی طرف اٹھا لیا تو وہ جنت میں ہے وہ نہیں مرے گا مگر جب آسمان فناء ہو جائے گا اور جنت ہلاک ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ جنت کو دوبارہ لوٹائے گا تو اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا (4)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اسے آری کے ساتھ چیر دیا یہاں تک کہ وہ اس کی دو ٹانگوں کے درمیان سے نکلی اللہ کی قسم! اس کی روح نہیں نکلی مگر اسے جنت میں داخل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کا یہی معنی ہے جب اس نے جنت کا مشاہدہ کیا تو اس نے کہا: ہائے کاش! میری قوم وہ کچھ جان لیتی جو میرے رب نے مجھے بخشا مافعل کے ساتھ ملکر مصدر کے حکم میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ الذی کے معنی میں ہے ضمیر عائد محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استفہامیہ ہے جو تعجب کے معنی میں ہے گویا کہا: کاش! میری قوم جانتی کہ کس وجہ سے میرے رب نے مجھے بخشا ہے؟ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی نے اس پر اعتراض کیا ہے اس نے کہا: اگر یہ صحیح ہوتو تو بم کا لفظ کہتا۔ فراء نے کہا کہ ما الف کے ساتھ کہا جائے یہ استفہامیہ ہے اور اس میں کئی اشعار پڑھے۔

زمخشری نے کہا: الف کے بغیر پڑھنا زیادہ اچھا ہے اگرچہ الف کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد علمت بما صنعت هذا و بم صنعت۔ مہدوی نے کہا: استفہامیہ کی صورت میں الف کو ثابت رکھنا قلیل ہے اس صورت میں یعلمون پر وقف کیا جائے گا۔

ایک جماعت نے کہا: ادْخُلِ الْجَنَّةَ کا معنی ہے تیرے لیے جنت ثابت ہوگئی۔ یہ خبر ہے تو جنت میں داخل ہو جا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا وہ اس میں زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے بطور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ جس طرح آل عمران میں پہلے گزر چکا ہے۔

قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ سائل کے سوال کی وجہ سے کلام ذکر کی گئی ہے جو سوال اتنی بڑی کامیابی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جو بخشش اور تکریم کی صورت میں متحقق ہوئی اسے مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس تمنی میں دو قول ہیں:

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 10
2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 278
3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 344
4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 245

(1) اس نے تمنا کی کہ وہ اس کے حال سے آگاہی حاصل کریں تاکہ اس کے حسن انجام اور پسندیدہ عاقبت سے آگہی حاصل کریں (2) اس نے تمنا کی کہ وہ اس کے ایمان کی مثل ایمان لائیں اور اس کی حالت جیسی حالت والے ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس نے اپنی قوم کو زندہ اور مردہ حالت میں نصیحت کی (1)۔ قشیری نے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بارے میں کہا کہ "اس نے اپنی زندگی اور موت کے بعد انہیں نصیحت کی"۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: امتوں کے سابقین تین افراد ہیں (2) انہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یہ ان میں سے افضل ہیں، آل فرعون کا مومن اور صاحب یٰسٓ یہ صدیق ہیں؛ زمخشری نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں عظیم تنبیہ ہے (3) اور غصہ پی جانے، جہلاء سے حلم کرنے، جو آدمی اپنے آپ کو شریر اور باغیوں کی آبادی میں پھنسا لے اس پر شفقت کرنے، اس کو چھٹکارا دلانے میں کوشش کرنے، اس کا فدیہ دینے میں مہربانی کرنے، اس کے دشمنوں کو خوش کرنے والے عمل سے اور اسے بددعا دینے سے اعراض کرنے کے وجوب پر دلالت موجود ہے کیا تم دیکھتے نہیں اس نے اپنے قاتلوں کے لیے، اس کے لیے ہلاکت چاہنے والوں کے لیے خیر کی تمنا کی جبکہ وہ کافر تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ جب حبیب کو قتل کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے غضبناک ہو گیا اور قوم پر جلد عذاب کو مسلط کر دیا، جبریل امین کو حکم دیا اس نے ان پر ایک چیخ ماری تو وہ سب کے سب مر گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۞ کا یہی مفہوم ہے، یعنی ہم نے اس کے قتل کے بعد ان پر کوئی نبی اور رسول مبعوث نہ کیا؛ یہ قتادہ، مجاہد اور حسن کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جند سے مراد لشکر ہیں (4) یعنی ان کو ہلاک کرنے کے لیے لشکروں کو بھیجنے کا محتاج نہیں بلکہ میں انہیں ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دوں گا؛ یہ حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء نے معنی بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ان کے امر کو حقیر قرار دینا ہے یعنی ہم نے اس کے قتل کے بعد یا آسمان کی طرف اٹھانے کے بعد ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم ان کے پہلوؤں پر اسے نازل کرنے والے نہ تھے۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ کہے: یوم بدر اور یوم خندق کو کیوں لشکر نازل کیے گئے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب: 9) اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۞ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۞ (آل عمران)

میں جواب دوں گا: ایک فرشتہ ہی کافی تھا قوم لوط کے شہر حضرت جبریل امین کے ایک پر سے ہلاک کر دیئے گئے (5)، قوم ثمود کے شہر اور قوم صالح کے شہر ایک چیخ سے برباد کر دیئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء اور اولی العزم رسولوں پر فضیلت دی۔ حبیب نجار کی کیا حیثیت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرامت اور اعزاز کے اسباب عطا فرمائے جیسے

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 11
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 10
3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 11
4۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 345
5۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 12

اسباب کسی اور کو عطا نہ فرمائے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمان سے لشکر نازل فرمائے گویا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا۔۔۔ وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ۝ کیونکہ لشکروں کو نازل کرنا عظیم امور میں سے ہے جن کا تیرے سوا کوئی اہل نہیں اور ہم تیرے سوا کسی اور کے لیے کچھ بھی کرنے والے نہیں۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً عام قراءت واحدۃ نصب کے ساتھ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ماکانت عقوبتھم الاصیحۃ واحدۃ۔

ابوجعفر بن قعقاع، شیبہ اور اعرج نے صیحۃٌ (مرفوع) پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً میں کون کو وقوع اور حدوث کے معنی میں لیا ہے گویا یوں کلام کی: ماوقعت علیھم الاصیحۃ واحدۃ۔ ابوحاتم اور دوسرے بہت سے نحویوں نے تانیث کے سبب اس قراءت کو ناپسند کیا ہے جبکہ یہ قول ضعیف ہے جس طرح ماقامت الاھند ضعیف ہے اس کی وجہ یہ ہے معنی ہے ماقام احد الاھند۔ ابوحاتم نے کہا: اگر بات اس طرح ہو جس طرح ابوجعفر نے قراءت کی ہے تو کلام یوں ہوتی ان کان الاصیحۃ نحاس نے کہا: ان میں سے کوئی شے بھی ممتنع نہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ماجاءتنی الاجاریتك تو اس معنی میں ہے ماجاءتنی امراۃ او جاریۃ الاجاریتك۔ رفع کی صورت میں قراءت میں تقدیر کلام یوں ہوگی جو ابواسحاق نے کہا ہے کہا: اس کا معنی ہے ان کانت علیھم صیحۃ الاصیحۃ واحدۃ۔ دوسرے علماء نے اس کی یوں تقدیر کلام ذکر کی ہے ماوقعت علیھم صیحۃ واحدۃ۔ کان کا لفظ وقع کے معنی میں کلام عرب میں اکثر واقع ہوتا ہے؛ عبدالرحمن ابن اسود نے اس کی یوں قراءت کی۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: حضرت عبداللہ کی قراءت میں بھی اسی طرح ہے ان کانت الازقیۃ واحدۃ یہ مصحف کے مخالف ہے نیز یہ بھی ہے کہ معروف لغت زقا یزقو ہے جس کا معنی ہے چیخنا اس معنی میں ضرب المثل ہے: أثقلُ من الزّواق۔ اس صورت میں نقیۃ کی جگہ یزقو زقوۃ کا لفظ ہوگا، یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جوہری نے کہا الزقو اور الزقی مصدر ہیں قدزقا الصدی یزقو زقاء اس نے چیخ ماری ہر چیخ مارنے والے کو زاق کہتے ہیں اور زقیۃ کا معنی چیخ ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے کہا جاتا ہے زقوۃ اور زقیۃ دو لغتیں ہیں قراءت صحیح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ۝۲۹ تو اچانک وہ مردہ تھے۔ انہیں ٹھنڈی راکھ کے ساتھ تشبیہ دی قتادہ نے کہا: خٰمِدُوْنَ کا معنی ہلاک ہونے والے ہیں۔ معنی سب کا ایک ہے۔

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۝۳۰ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۝۳۱ وَ اِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ۝۳۲

''صد افسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا

انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا اور وہ آج تک ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا''۔

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ، حسرۃ منصوب ہے کیونکہ نکرہ کو ندا کی جارہی ہے۔ بصریوں کے نزدیک نصب کے علاوہ کوئی صورت جائز نہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں یاحسرۃ العباد یعنی حسرۃ کا لفظ مضاف ہے (1)۔ لغت میں حسرت کا معنی یہ ہے کہ انسان کو شرمندگی لاحق ہو جس کی وجہ سے یہ حسیر یعنی افسوس کرنے والا ہو جائے۔ فراء نے کہا: پسندیدہ قراءت نصب ہے۔ اگر نکرہ کو رفع دیا جائے جو صلہ کے ساتھ ملا ہوا ہو تو یہ بھی صورت درست ہے اور چند چیزوں سے دلیل قائم کی ہے ان میں سے یہ ہے کہ انہوں نے عربوں سے سنا یا یامُهتمُّ بأمرنا لا تهتم اور یہ مصرعہ پڑھا:

یادارُ غَيَّرَها البِلىٰ تَغْيِيرًا

اے گھر! جسے بوسیدگی نے تبدیل کر دیا۔

نحاس نے کہا: اس میں تو نداء کے تمام احکام یا اکثر احکام کا ابطال ہے کیونکہ وہ خالص نکرہ کو رفع دیتا ہے اور اسے جو اپنی طوالت میں مضاف کے قائم مقام ہوتا ہے اس کو رفع دیتا ہے اور تنوین کے حذف کے ساتھ رفع دیتا ہے جبکہ وہ متوسط ہو اور اسے رفع دیتا ہے جو معنی میں مفعول ہو جبکہ ایسی علت نہ ہو جو اسے واجب کرے۔

عربوں سے جو کچھ اس نے حکایت بیان کی ہے وہ تو اس کے مشابہ نہیں جس کو اس نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یامُهتمُّ بأمرنا لا تهتم کی تقدیر تقدیم و تاخیر کی بنا پر ہے معنی ہے یاایها المُهتمّ لا تهتم بأمرنا اس مصرعہ کی تقدیر کلام یوں ہے یا ایتها الدار پھر خطاب کو تبدیل کیا اور کہا: اے لوگو! اس گھر کو بوسیدگی نے بدل دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ (یونس: 22) حسرۃ کا لفظ ندا کی وجہ سے منصوب ہے جس طرح تو کہتا ہے: یا رجلاً اقبل۔ ندا کا مطلب یہ ہوگا یہ حسرت کے حاضر ہونے کی جگہ ہے۔ طبری نے کہا: معنی ہے بندوں کی اپنی ذاتوں پر حسرت اور شرمندگی ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے ہائے بندوں پر ہلاکت۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ لوگ اس جگہ واقع ہوتے ہیں جن پر حسرت کی جاتی ہے۔

ربیع نے انس سے وہ ابو العالیہ سے روایت نقل کرتے ہیں: یہاں عباد سے مراد رسول ہیں اس کی وجہ ہے کفار نے جب عذاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ تو انہوں نے قتل کرنے، ایمان کو ترک کرنے پر حسرت کا اظہار کیا انہوں نے اس وقت ایمان کی تمنا کی جب ایمان انہیں کوئی نفع نہ دے سکتا تھا: یہ مجاہد کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: جب کفار نے رسولوں کو جھٹلایا تو فرشتوں نے کفار پر حسرت کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ اس آدمی کا قول تھا جو شہر کے دور دراز حصہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا جب قوم کے لوگ اسے قتل کرنے کے لیے جھپٹ پڑے تھے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 13

ایک قول یہ کیا گیا کہ ان تین افراد نے یہ بات کہی تھی جب قوم نے اس آدمی کو قتل کر دیا تھا اور بھیجے گئے افراد ان سے جدا ہو گئے تھے یا انہوں نے تین بھیجے گئے افراد کے ساتھ اس آدمی کو بھی قتل کر دیا جس طرح روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے: ہائے ان بھیجے گئے افراد پر افسوس! اس آدمی پر افسوس کاش! ہم ان پر اس وقت ایمان لاتے جس وقت ایمان انہیں نفع دیتا۔

اس کے بارے میں گفتگو مکمل ہو چکی ہے پھر نئے سرے سے گفتگو شروع کی فرمایا: مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ۔

ابن یزید، مسلم بن جندب اور عکرمہ نے یاحسرۃ علی العباد پڑھا ہاء کو ساکن پڑھا ہے مقصود بیان پر حرص دلانا اور نفس میں معنی کو پختہ کرنا ہے کیونکہ موقع وعظ ونصیحت کا تھا عرب اس موقع پر اس قسم کا عمل کرتے ہیں اگرچہ وقف کا موقع نہ بھی ہو اس معنی میں وہ روایت بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک حرف (1) قراءت کرتے مقصود بیان اور سمجھانے پر حرص دلانا تھا گویا حسرۃ پر وقف کو مقدر کیا اور ہاء کو کسرہ دیا پھر کہا: علی العباد یعنی میں بندوں پر حسرت کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس، ضحاک اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے یاحسرۃ العباد میں حسرۃ کا لفظ مضاف ہے اور علی کا لفظ محذوف ہے۔ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو العباد اس کا فاعل ہوگا گویا جب انہوں نے عذاب کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے حسرت کا اظہار کیا تو یہ کلام تیرے اس قول کی طرح ہوگی: یاقیام زید۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول کی طرف مضاف ہونے سے تعلق رکھتی ہو اس صورت میں عباد کا لفظ مفعول ہوگا گویا بندوں پر وہ حسرت کا اظہار کرتا ہے جو ان پر شفقت کرتا ہے، جس نے یاحسرۃ علی العباد کی قراءت کی ہے وہ اس معنی کو قوت بخشتی ہے۔ سیبویہ نے کہا أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ میں ان، کم اہلکنا سے بدل ہے یہاں کم خبر یہ ہے اس وجہ سے اس سے اس چیز کو بدل بنانا جائز ہے جو استفہام نہ ہو معنی اس کا یہ بن جائے گا: کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جن قوموں کو ہم نے ہلاک کیا ہے وہ ان کی طرف لوٹنے والے نہیں۔

فراء نے کہا: کم دو وجہ سے محل نصب میں ہے: (1) یروا کی وجہ سے، اس پر دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات سے پیش کی ہے وہ قراءت اس طرح ہے الم یروا من اہلکنا (2) أَهْلَكْنَا کی وجہ سے کم منصوب ہے۔

نحاس نے کہا: پہلا قول محال ہے کیونکہ کم میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا کیونکہ یہ استفہامیہ ہے اور یہ بات محال ہے کہ استفہام ماقبل کی خبر پر داخل ہو جب یہ خبریہ ہو تو اس وقت بھی اس کی صورت حال یہی ہوگی اگرچہ سیبویہ نے ان میں سے بعض چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہم کو کم سے بدل بنایا ہے۔ محمد بن زید نے اس کا شدید ترین رد کیا ہے اور کہا کم اہلکنا کی وجہ سے منصوب ہے اور انہم محل نصب میں ہے اس کے نزدیک معنی یہ ہوگا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں من اہلکنا ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے إنہم إلیہم لا یرجعون پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے (2)، یہ آیت اس آدمی کا رد ہے جو

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء کیف کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 2847، ضیاء القرآن پبلی کیشنز　　2۔ تفسیر الکشاف، جلد 5، صفحہ 14

یہ گمان کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جو موت کے بعد قیامت سے پہلے لوٹیں گیں۔

وَ اِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ سے مراد یوم قیامت ہے، جزا کے لیے انہیں حاضر کیا جائے گا۔ ابن عامر، عاصم، اور حمزہ نے لَمَّا پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے لما پڑھا ہے۔ انْ مثقلہ سے مخففہ ہے اس کا مابعد مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اس کا مابعد خبر ہے جب اس کا لفظ بدل گیا تو اس کا عمل باطل ہو گیا اس کی خبر پر لام کا داخل کرنا لازم ہے تا کہ ان تاکید یہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ ابو عبیدہ کے نزدیک ما زائدہ ہے اس کے نزدیک تقدیر کلام یوں ہوگی وان کل لجمیع۔ فراء نے کہا: جس نے اسے مشدد پڑھا ہے اس نے لما کو الا کے معنی میں بنایا ہے اور ان، ما کے معنی میں ہے جس طرح یہ قول ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ (المومنون:25) وہ نہیں مگر ایسا آدمی جس کو جنون ہے۔ سیبویہ نے سألتك باللہ لما فعلت میں حکایت بیان کی ہے۔ کسائی نے کہا: یہ معروف نہیں۔ یہی بحث سورۂ ہود میں گذر چکی ہے۔ حضرت ابی کی قراءت میں وان منهم الا جمیع لدینا محضرون ہے۔

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

''اور ایک نشانی ان کے لیے یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے تا کہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا اس کو ان کے ہاتھوں نے کیا وہ ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ ابھی نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے انہیں مردوں کے زندہ کرنے پر متنبہ کیا اور ان کے سامنے اپنی توحید اور کمال قدرت کا ذکر کیا یہ مردہ زمین ہے جسے نباتات اور نباتات سے دانہ نکالنے کے ساتھ اسے زندہ کیا اس دانہ سے تم غذا حاصل کرتے ہو اہل مدینہ نے المیتة کے لفظ کو مشدد پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ اور ہم نے اس زمین میں باغات بنائے کھجور اور انگوروں کا خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں اعلیٰ قسم کے پھل ہیں ان باغات میں ہم نے چشمے جاری کر دیئے ثمرہ میں جو ضمیر ہے وہ عیون کے پانی کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ پھل اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جرجانی، مہدوی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن کا ہم نے ذکر کیا وہ اس کے پھل کھائیں جس طرح ارشاد فرمایا: وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ (النحل:66) حمزہ اور کسائی نے اسے من ثمرہ پڑھا ہے

جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ اعمش نے یہ لفظ ثاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس بارے میں گفتگو الانعام میں گزر چکی ہے۔

وَ مَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ میں ما کا لفظ محل جر میں ہے کیونکہ اس کا عطف من ثمرہ پر ہے یعنی **مما عملته ایدیهم** کوفیون نے اسے ھاء کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے اپنے اصل پر حذف کے بغیر پڑھا ہے۔ کلام میں ضمیر عائد کا حذف اکثر ہوتا ہے کیونکہ اسم طویل ہوتا ہے (کیونکہ اسم موصول صلہ کے ساتھ ملکر ایک اسم کے حکم میں ہوتا ہے) یہ بھی جائز ہے کہ ما نافیہ ہو اس کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو اسے صلہ اور ضمیر عائد کی کوئی ضرورت نہ ہو یعنی الله تعالیٰ نے جو کھیتی اگائی ہے وہ ان کے ہاتھوں کے پیدا کردہ نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، ضحاک اور مقاتل کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کا معنی ہے ان پھلوں میں سے جو ان کے ہاتھوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں اور میٹھی اور کھانے کی مختلف اقسام میں سے اور وہ چیزیں جو کسی خاص طریقہ سے دانوں سے بناتے ہو جس طرح روٹی اور تیل جو تلوں اور زیتون سے نکالا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس طرف راجع ہے جسے لوگ کھاتے ہیں، یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا **اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ** کا مفعول **نعمه** ہے کیا وہ الله تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ الله تعالیٰ نے کفار کے قول سے اپنی پاکی بیان کی ہے کیونکہ کفار نے الله تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کے آثار کو دیکھنے کے بعد غیر الله کی عبادت کی۔ اس کلام میں فعل امر کی تقدیر ہے مراد یہ ہے **سبحوہ ونزھوہ عمالا یلیق بہ**۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی میں تعجب کا معنی ہے یعنی ان کافروں کے کفر پر تعجب ہے جو ان آیات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو کسی چیز پر تعجب کا اظہار کرتا ہے تو وہ سبحان الله کہتا ہے۔ ازواج کا معنی انواع واصناف ہیں ہر زوج صنف ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ رنگ، ذائقہ، شکل، چھوٹے بڑے ہونے میں مختلف ہوتے ہیں ان کا اختلاف ہی ان کا ازدواج ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد مذکر اور مؤنث ہے۔

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ سے مراد نباتات ہیں کیونکہ اس کی اقسام ہوتی ہیں **وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ** سے مراد ایسی اولاد ہے جو جوڑے جوڑے ہیں ان میں سے مذکر اور مؤنث ہیں اور الله تعالیٰ کی مخلوقات میں سے خشکی، سمندر، آسمان اور زمین میں ایسی مخلوقات میں سے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الله تعالیٰ جسے پیدا فرماتا ہے اسے کوئی انسان نہ جانتا ہو اور فرشتے اسے جانتے ہوں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس مخلوق کو کوئی دوسری مخلوق نہ جانتی ہو۔ اس آیت میں استدلال کی صورت یہ ہے کہ جب وہ پیدا کرنے میں منفرد ہے تو مناسب نہیں کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ﴿۳۷﴾ وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿ؕ۳۸﴾

''اور دوسری نشانی ان کے لیے رات ہے ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یوں وہ یکلخت اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، یہ آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف، یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس خدا کا جو عزیز

(اور) حلیم ہے"۔

یہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی قدرت اور اس کی اہمیت کے ثبوت پر علامت ہے سلخ کا معنی اتارنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سلخه الله من دينه اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دین سے الگ کر دیا پھر یہ نکالنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے روشنی جانے اور تاریکی کے آنے کو، کسی شے سے چمڑے کو اتارنے اور جسم کے ظاہر ہونے کی طرح ہے پس یہ اشارہ ہے مُّظْلِمُوْنَ۝ وہ تاریکی میں داخل ہونے والے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اظلمنا ہم رات کی تاریکی میں داخل ہوتے ہیں اظهرنا ہم ظہر کے وقت میں ہوتے ہیں اسی طرح أصبحنا، أضحينا اور أمسينا ہے، یعنی ہم صبح کے وقت، چاشت کے وقت اور شام کے وقت میں داخل ہوئے۔

ایک قول یہ کیا گیا منه، عنه کے معنی میں ہے اس کا معنی ہے ہم نے اس سے دن کی روشنی کو الگ کر دیا تو اچانک وہ تاریکی میں تھے کیونکہ دن کا نور ہوا میں داخل ہوتا ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے جب وہ ہوا سے نکل جاتا ہے تو وہ تاریک ہو جاتا ہے (1)۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا یہ جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو آیة لهم الشمس۔ یہ بھی جائز ہے کہ الشمس اس فعل کی وجہ سے مرفوع ہو جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الشمس مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو۔ تَجْرِيْ خبر ہے جو جارية کے معنی میں ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا: "اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے (2)" اس بارے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟" صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "یہ سورج چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ عرش کے نیچے اپنے سفر کی انتہا کرتا ہے پھر وہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے وہ اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ اسے کہا جاتا ہے: تو اٹھ اور جہاں سے تو آیا ہے اس کی طرف واپس لوٹ جا تو وہ صبح کے وقت اپنے مطلع سے طلوع کرتا ہے، پھر وہ چلتا رہتا ہے لوگ اس سے کوئی عجیب چیز نہیں دیکھتے یہاں تک کہ وہ عرش کے نیچے اس ٹھکانے تک جا پہنچتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: اٹھ تو مغرب سے کل صبح طلوع کر تو وہ مغرب سے طلوع کرے گا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا اس نے اپنے ایمان میں کوئی خیر کا عمل نہ کیا تھا"۔

بخاری شریف کے الفاظ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہیں (3) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا جب سورج غروب ہوا: "کیا تو جانتا ہے سورج کہاں جاتا ہے؟" میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: "یہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے وہ اجازت طلب کرتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے ممکن ہے وہ سجدہ کرے تو اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے وہ اجازت طلب کرے تو اسے اجازت نہ دی جائے اسے کہا جائے: جہاں

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 280 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 542 3۔ صحیح بخاری، سورۂ یسین، جلد 2، صفحہ 709

سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا تو وہ مغرب کی جانب سے طلوع کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ﴿۳۸﴾ کا یہی مفہوم ہے۔

ترمذی شریف کے الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہیں (1): جب سورج غروب ہو گیا تو میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تو جانتا ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ''یہ جاتا ہے سجدہ کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے گویا اسے کہا جاتا ہے جہاں سے آیا ہے وہاں سے طلوع ہو تو وہ مغرب سے طلوع کرتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت کی''۔ ذالك مستقر لها کہا: یہ حضرت عبداللہ کی قراءت ہے۔ امام ترمذی حضرت ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عکرمہ نے کہا: سورج جب غروب ہوتا ہے وہ عرش کے نیچے ایک محراب میں داخل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے یہاں تک کہ وہ صبح کرتا ہے جب وہ صبح کرتا ہے تو باہر آنے سے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے: کس لیے؟ سورج عرض کرتا ہے: جب میں نکلوں گا تو تیرے سوا میری عبادت کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: نکل اس وجہ سے تجھ پر کوئی قدغن نہیں میں ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی طرف جہنم بھیجوں گا وہ اسے کھینچتے ہوئے لائیں گے یہاں تک کہ فرشتے ان سب کو جہنم میں داخل کریں گے''۔ کلبی اور دوسرے لوگوں نے کہا: اس کا معنی وہ غروب میں بعید ترین منزل کی طرف چلے گا پھر وہ قریب ترین منزل کی طرف لوٹے گا اس کا ٹھکانہ اس کا اس جگہ تک پہنچنا ہے جہاں سے وہ آگے نہیں جاتا بلکہ اس جگہ سے لوٹ آتا ہے جس طرح ایک انسان ہے وہ مسافت طے کرتا ہے یہاں تک کہ آخری منزل تک پہنچتا ہے اور اپنا کام مکمل کرتا ہے پھر اس پہلی منزل کی طرف لوٹ آتا ہے جہاں سے اس نے اس سفر کا آغاز کیا تھا سورج کا اپنی آخری منزل تک پہنچنا جبکہ وہ اس کا مستقر ہے جب وہ ہنعہ (جیسے تیئس 23 جون) کو طلوع ہوتا ہے یہ سال کا سب سے لمبا دن ہوتا ہے اور اس کی رات سب سے چھوٹی ہوتی ہے دن پندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات نو گھنٹے کی ہوتی ہے پھر دن کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سورج لوٹ آتا ہے جب ثریا طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں تو رات اور دن میں سے ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کے ہو جاتے ہیں پھر وہ قریبی منزل تک پہنچ جاتا ہے اور نعائمہ (تیئس 23 دسمبر) کو طلوع ہوتا ہے۔ یہ سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے اور رات پندرہ گھنٹے کی ہوتی ہے یہاں تک کہ فرغ دلو موخر (تیئس 23 مارچ) کو طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں ہر رات دن سے ہر روز گھنٹے کا تیسواں حصہ لیتی ہے ہر دس دن گھنٹے کا ایک تہائی لیتے ہیں اور ہر ماہ ایک گھنٹہ لیتا ہے یہاں تک کہ رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں اور رات حصہ لیتی رہتی ہے یہاں تک کہ پندرہ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور دن بھی رات سے اسی طرح حصہ لیتا رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج کے سال میں تین سو ساٹھ مطلع ہوتے ہیں ہر روز ایک مطلع میں نزول کرتا ہے پھر ایک سال تک اس میں نزول نہیں کرتا وہ انہیں منازل میں گردش کرتا رہتا ہے (2) یہی

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، فی سورۂ یٰسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3151، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 345

اس کا مستقر ہے یہ معنی میں اس جیسا ہے جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب سورج غروب ہوتا ہے اور اس جگہ تک جا پہنچتا ہے جس سے آگے تجاوز نہیں کرتا تو وہ طلوع ہونے تک اس کے نیچے قرار پر رہتا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا ہے وہ تمام اقوال کو جامع ہے اس میں غور کرو۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یوں قراءت کی والشمس تجری لمستقرلها کہ وہ رات اور دن میں جاری رہتا ہے اس میں نہ ٹھہراؤ ہے نہ ہی قرار ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے گرا دے گا۔ جس نے مصحف کی مخالفت کی اس نے کہا: میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت کو پڑھتا ہوں۔ ابن انباری نے کہا: جس نے یہ قول نقل کیا ہے وہ باطل ہے اس پر اسے لوٹا دیا جائے گا، کیونکہ ابو عمر نے مجاہد سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، ابن کثیر نے مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا یہ دونوں سندیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہیں جن کی صحت پر اجماع گواہی دیتا ہے اور جو ضعیف سند کے ساتھ جماعت اور امت کے متفق علیہ مذہب کی مخالفت کرتا ہے یہ دونوں سندیں اس کو باطل کر دیتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: وہ ثابت شدہ احادیث جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کے قول کو رد کر دیتی ہیں اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے وہ اللہ پر کتنا جری ہے۔

قول لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا میں لام، الی کے معنی میں ہے۔ مستقر سے مراد قرار کی جگہ ہے یعنی رات، دن اور سورج کا جو مقام ذکر کیا گیا ہے یہ عزیز و علیم و تقدیر ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝

"اور ذرا چاند کو دیکھ ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالْقَمَرَ اس کی تقدیر کلام یوں ہے وآیة لهم القمر۔ یہ بھی جائز ہے کہ القمر مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو کوفیوں نے اسے والقمر منصوب پڑھا ہے کیونکہ فعل مضمر ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ مسلک ہے، اس نے کہا: اس سے قبل نسلخ فعل ہے اور اس کے بعد قدرناہ فعل ہے۔ نحاس نے کہا ہے: میرا جہاں تک علم ہے تمام عربی اس قول کی مخالفت کرتے ہیں جو ابو عبیدہ نے کیا۔ ان میں سے ایک فراء ہے اس نے کہا: رفع مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے ان کے نزدیک رفع زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس کا ماقبل پر عطف ہے اس سے مراد وآیة لهم القمر ہے اس کا قول اس سے پہلے نسلخ فعل ہے اس سے قبل جو فعل زیادہ قریبی ہے وہ تجری ہے اور اس سے قبل والشمس رفع کے ساتھ ہے اس نے اس کے بعد جس فعل کا ذکر کیا ہے وہ قدرناہ ہے وہ هاء میں عامل ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اس میں رفع بہتر ہے کیونکہ تو نے ضمیر کی وجہ سے فعل کو اس سے غافل کر دیا ہے تو تو اسے رفع دے گا۔ یہ قول کیا جاتا ہے: چاند کی منازل نہیں ہوتیں تو پھر کیسے ارشاد فرمایا: قَدَّرْنٰهُ

مَنَازِلَ اس بارے میں دو جواب ہیں: (1) اس سے مراد ہے ہم نے اسے منازل والا بنا دیا ہے جس طرح وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) سے مراد اھل قریۃ ہے (2) اصل کلام یوں تھا قدرناله منازل پھر لام کو حذف کر دیا گیا اس کا حذف بہت اچھا ہے تا کہ فعل دو مفعولوں کی طرف واسطہ کے بغیر متعدی ہو جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا (الاعراف: 155) منازل اٹھائیس ہیں۔ چاند ہر روز ایک منزل میں اترتا ہے وہ شرطان، بطین، ثریا، دبران، ہقعہ، ہنعہ، ذراع، نثرہ، طرف، جبہہ، خراتان، صرفہ، عواء، سماک، غفر، زبانیان، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم، بلدہ، سعد الذابح، سعد بلع، سعد السعود، سعد الاخبیہ، الفرغ المقدم، الفرغ المؤخر اور بطن الحوت (1)۔

جب چاند اس آخری منزل میں پہنچتا ہے تو پھر پہلے کی طرف لوٹ آتا ہے وہ فلک کو اٹھائیس راتوں میں طے کرتا ہے پھر چھپ جاتا ہے پھر ہلال کی صورت میں طلوع کرتا ہے اور فلک طے کرنے میں منازل کی طرف لوٹ آتا ہے یہ بروج پر منقسم ہے ہر برج دو منزلیں اور ایک تہائی ہے حمل کے لیے شرطان، بطین اور ثریا ایک تہائی ہے، ثور کے لیے ثریا کے دو ثلث اور دبران اور ہقعہ کے دو تہائی ہیں ہر باقی کے لیے بھی یہی صورتحال ہے۔ سورۂ حجر میں بروج کے ناموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ الحمد اللہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو آگ سے پیدا کیا ہے پھر طلوع کے وقت انہیں نور کا لباس عطا کیا جہاں تک سورج کے نور کا تعلق ہے تو وہ عرش کے نور سے ہے جہاں تک چاند کے نور کا تعلق ہے تو وہ کرسی کا نور ہے وہ ان کی پیدائش کی اصل اور یہ ان کا لباس ہے جہاں تک سورج کا تعلق ہے تو اس کے لباس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تا کہ وہ شعاع والا اور روشن ہوتا رہے جہاں تک چاند کا تعلق ہے روح الامین نے اپنے پروں کو اس کے چہرہ پر پھیرا تو اس کی روشنی کو پروں کے غلبہ سے مٹا دیا کیونکہ وہ روح ہیں اور روح اس کی سلطان ہے جو تمام اشیاء پر غالب ہے اس کا محو باقی رہا جیسا اسے مخلوق دیکھتی ہے پھر اسے پانی کے غلاف میں رکھ دیا پھر اس کے لیے گذرگاہ بنائی ہر رات مخلوق کے لیے اس غلاف سے اس قدر چاند ظاہر ہوتا ہے جس قدر وہ ان کے لیے ظاہر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا ظہور ان کے لیے مکمل ہو جاتا ہے اور مخلوق اس چاند کو مکمل اور پورا گول دیکھتی ہے پھر ہر رات اس میں سے کچھ حصہ اس غلاف کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اسی مقدار سے دکھائی دینے میں کم ہوتا جاتا ہے جس قدر ظاہر ہونے میں ظاہر ہوا تھا اور اسی جانب سے نقصان میں کمی شروع ہو جاتی ہے جس جانب سورج اسے نہیں دیکھتا وہ اس کی غروب کی جانب ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتی ہے وہ قوس وار ٹہنی ہے اس کی وجہ اس کا خشک ہونا اور باریک ہونا ہے۔ اسے قمر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی سفیدی کی وجہ سے فضا کو سفید کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ چھپ جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ زجاج نے کہا: یہ کھجور کی ایسی شاخ ہے جس پر چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں (2) یہ انعراج سے فعلون کا وزن ہے انعراج کا معنی مڑ جانا ہے یعنی وہ اپنی منازل میں چلتا ہے جب وہ آخری منزل میں پہنچتا ہے تو وہ باریک ہو جاتا ہے،

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 16 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 17

قوس دار ہو جاتا ہے اور تنگ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر نون زائدہ ہے۔ قتادہ نے کہا: عرجون سے مراد کھجور کی خشک مڑی ہوئی شاخ ہے۔ ثعلب نے کہا العرجون سے مراد کھجور کا گچھا جب کاٹا جائے تو جو باقی رہ جائے وہ عرجون ہے القدیم سے مراد بوسیدہ ہے۔ خلیل نے کہا: عرجون سے مراد شاخ کی جڑ ہے یہ زرد رنگ کی چوڑی ہوتی ہے جب چاند ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو اسے اس شاخ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ جوہری نے کہا: عرجون سے مراد شاخ کی جڑ ہے جس کی چھوٹی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں تو وہ کھجور کے درخت پر ہی باقی رہتی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَرْجَنَه اسے شاخ کے ساتھ مارا ان لوگوں کے قول کے مطابق نون اصلیہ ہے اسی معنی میں اعشیٰ بن قیس کا شعر ہے:

شرق المسك والعبير بها فهي صفراء كعرجون القمر

کستوری اور عبیر اس پر چمک اٹھی وہ زرد ہے جس طرح چاند جب شاخ کی طرح ٹیڑھا ہوتا ہے

کھجور کی شاخ جب خشک اور قوس دار ہو جاتی ہے تو چاند کی باریکی اور زردی میں اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ اسے اہان، کباسہ اور قنو بھی کہتے ہیں، اہل مصر اسے اسباطہ کہتے ہیں۔ اسے عرجون بھی پڑھتے ہیں (1) یہ فرجون کا وزن ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح بُزیون اور بِزیون۔ زمخشری نے یہ ذکر کیا ہے اور کہا: عرجون کھجور کی شاخ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو کھجور اور اس کے پتوں کے درمیان ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھ سال چار موسموں پر منقسم ہے ہر موسم کی سات منازل ہیں پہلا موسم بہار ہے اس کا آغاز آذار (مارچ) کی پندرہ تاریخ سے ہوتا ہے اس کے دنوں کی تعداد بانوے (92) ہے اس موسم میں سورج تین برج حمل، ثور، اور جوزاء اور سات منازل شرطان، بطین، ثریا، دبران، ہقعہ، ہنعہ اور ذراع کو عبور کرتا ہے پھر موسم گرما حزیران (جون) کی پندرہ تاریخ کو داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد بانوے (92) ہے اس موسم میں سورج تین برجوں شرطان، اسد اور سنبلہ اور سات منازل کو طے کرتا ہے وہ سات منازل نثرہ، طرف، جبہہ، خراتان، صدفہ، عواء اور سماک ہیں، پھر ایلول (ستمبر) کی پندرہ تاریخ کو موسم خزاں داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد اکانوے (91) ہے اس موسم میں سورج تین برجون یعنی میزان، عقرب اور قوس اور سات منازل یعنی غفر، زبان، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم اور بلدہ کو طے کرتا ہے کانون اوّل (دسمبر) کی پندرہ تاریخ کو موسم سرما داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد نوے ہے بعض اوقات اس کے دنوں کی تعداد اکانوے ہوتی ہے اس موسم میں سورج تین برجون یعنی جدی، دلو اور حوت کو طے کرتا ہے اور سات منازل کو طے کرتا ہے سعد الذابح، سعد بلع، سعد سعود، سعد اخبیہ، فرغ مقدم، فرغ موخر اور بطن حوت۔ یہ سریانیوں کی مہینوں کی تقسیم ہے تشرین الاول (اکتوبر) تشرین الثانی (نومبر) کانون الاول (دسمبر) کانون الثانی (جنوری) اشباط (فروری) آذار (مارچ) نیسان (اپریل) ایار (مئی) حزیران (جون) تموز (جولائی) آب (اگست) ایلول (ستمبر) سب اکتیس دن کے ہوتے ہیں مگر تشرین ثانی (نومبر) نیسان (اپریل) حزیران (جون) اور ایلول (ستمبر) یہ تیس دن کے ہوتے ہیں اشباط (فروری)

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 17

اٹھائیس مکمل اور 1/4 دن کا ہوتا ہے اس سے ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ کا یہی مفہوم ہے جب سورج ایک منزل میں ہوتا ہے تو ہلال اس کے بعد والی منزل میں پڑاؤ کرتا ہے اور فجر دو منزلیں اس سے پہلے ہوتی ہیں جب سورج اپریل کی پچیس تاریخ کو ثریا میں ہوتا ہے تو فجر شرطین میں ہوتی ہے اور چاند دبران میں پڑاؤ کرتا ہے پھر ہر رات میں اس کی ایک منزل ہوتی ہے یہاں تک کہ اٹھائیس راتوں میں وہ اٹھائیس منزلیں طے کرتا ہے سورج نے دو منزلیں طے کی ہوتی ہیں تو چاند ان دونوں کو طے کرتا ہے پھر وہ سورج کی منزل کی بعد والی میں طلوع کرتا ہے یہی عزیز وعلیم کی تقدیر ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ زمخشری نے قدیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب وہ شاخ پرانی ہو جاتی ہے تو وہ باریک ٹیڑھی اور زرد ہو جاتی ہے چاند کو اس کے ساتھ تین وجوہ سے تشبیہ دی جاتی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کی صفت قدیم کے لفظ کے ساتھ بیان کی گئی ہو اس کا کم سے کم عرصہ سال ہوتا ہے اگر کوئی آدمی کہے: کل مملوك لی قدیم فھو حر یا اس نے اپنی وصیت میں یہ قول کیا ہو تو جو غلام ایک سال یا اس سے زیادہ اس کی ملک میں رہا ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: چاند پر جو احکام مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے الحمد اللہ۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

"نہ سورج کی یہ مجال کہ پیچھے سے چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے اور سب سیارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں"۔

لفظ الشَّمْسُ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور لا معرفہ میں عمل نہیں کرتا۔ علماء نے اس آیت کے معنی میں گفتگو کی ہے بعض نے کہا: اس کا معنی سورج چاند کو نہیں پا سکتا کہ اس کی حقیقت اور افادیت کو باطل کر دے ہر ایک کی اپنے دائرہ کار میں حاکمیت ہے ان میں سے کوئی ایک بھی دائرے پر اس طرح داخل نہیں ہو سکتا کہ اس کی حکومت کو ختم کر دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو تدبیر فرمائی ہے اس کو باطل کر دے تو سورج اس کے مغرب سے طلوع ہو جائے جس طرح اس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گذر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چاند کی روشنی نہیں ہوتی اور جب چاند طلوع ہوتا ہے تو سورج کی روشنی نہیں ہوتی (2)؛ یہ معنی حضرت ابن عباس اور ضحاک سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: ایک روشنی دوسرے کی روشنی جیسی نہیں ہوتی (3)۔ قتادہ نے کہا: ہر ایک کی حد اور نشانی ہے نہ وہ اس سے تجاوز کرتا ہے اور نہ اس سے پہلے ہی رک جاتا ہے جب ایک کی حکومت آتی ہے تو دوسرے کی حکومت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ دونوں آسمان میں جمع نہیں ہوتے خصوصاً چاند کی رات جمع نہیں ہوتے یعنی سورج باقی نہیں

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 17
2۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 12
3۔ ایضاً

رہتا یہاں تک کہ چاند طلوع ہوتا ہے لیکن جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو چاند طلوع ہو جاتا ہے(1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: معنی ہے چودھویں رات کی چاند خاص کر سورج چاند کو نہیں پاتا کیونکہ چاند سورج کے طلوع ہونے سے قبل غروب ہونے میں جلدی کرتا ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب وہ آسمان میں جمع ہوتے ہیں وہ منازل میں ایک دوسرے سے آگے ہوتے ہیں دونوں ان میں شریک نہیں ہوتے(3)، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: چاند آسمان دنیا میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے سورج اس کو نہیں پا سکتا؛ یہ نحاس اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس کے معنی میں جو سب سے اچھا اور واضح قول کیا گیا ہے جس کا رد نہیں کیا جا سکتا کہ چاند کی رفتار تیز ہے سورج چال میں چاند کو نہیں پا سکتا؛ یہ مہدوی نے بھی ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۙ (القیامہ) یہ اس وقت ہوگا جب سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا جائے گا جس کی وضاحت سورۃ الانعام کے آخر میں گذر چکی ہے اور سورۃ القیامہ میں بھی آئیگی ان دونوں کا جمع ہونا یہ دنیا کے ختم ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کی علامت ہوگی۔

سورج اور چاند اپنے فلک میں رواں دواں ہیں۔ ایک قول کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چکر لگا رہے ہیں یہاں تسبیح کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ اپنے فعل کے ساتھ صفت بیان کی جس کے ساتھ ذوالعقول کی صفت بیان کی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج، چاند اور ستارے آسمان و زمین کے درمیان فلک میں ہیں اس کے ساتھ چمٹے ہوئے نہیں اگر یہ چمٹے ہوئے ہوتے تو نہ چلتے(4)؛ یہ ثعلبی اور ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

بعض نے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ کہ دن کو رات سے قبل بنایا گیا رات خلق میں اس سے سبقت نہیں لے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے وقت پر آتا ہے ان میں سے کوئی اپنے ساتھی پر سبقت نہیں لے جاتا یہاں تک کہ قیامت کے روز سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا جس طرح فرمایا: وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۙ (القیامۃ) اس وقت یہ آگے پیچھے اس لیے آ رہے ہیں تا کہ بندوں کے مصالح مکمل ہوں اور تا کہ تم سالوں کی تعداد اور حساب کو جان لو، رات آرام کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص:73) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ (النباء) یعنی نیند کو دن کے کام کاج سے تمہارے بدنوں کو آرام پہنچانے کے لیے بنایا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ رات دن پر غالب آنے والی نہیں یہ تعبیر بولا جاتا ہے: سبق فلان فلانا۔ فلاں فلاں پر غالب آ گیا۔ مبرد نے ذکر کیا ہے میں نے عمارہ کو ولا اللیل سابقُ النہار پڑھتے ہوئے سنا میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے سابق النہار کا ارادہ بیان کیا ہے میں نے تنوین کو حذف کر لیا ہے کیونکہ یہ خفیف ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے النہار تنوین کے بغیر منصوب ہو اور تنوین اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو۔

وَ اٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۙ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 18 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 347

يَرْكَبُوْنَ ۞ وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۞ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۞

''اور ایک نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کردیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہیں اور نہ وہ ڈوبنے سے بچائے جاسکیں بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں''۔

اٰيَةٌ لَّهُمْ میں تین معانی کا احتمال ہے: (1) یہ ان کے لیے عبرت ہے کیونکہ آیات میں عبرتیں ہیں (2) ان پر نعمت ہے کیونکہ آیات میں انعام ہے (3) انہیں خبردار کرنا ہے کیونکہ آیات میں خبردار کرنے کا پہلو موجود ہوتا ہے (1)۔

اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۞ سورت میں مشکل ترین آیت ہے کیونکہ انہیں ہی کشتی میں سوار کیا گیا تھا، ایک قول یہ کیا گیا: اہل مکہ کے لیے نشانی ہے کہ ہم نے سابقہ قوموں کی اولادوں کو بھری کشتی میں سوار کیا۔ دونوں ضمیریں مختلف ہیں؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا ہے اور اس کی حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دونوں ضمیریں اہل مکہ کے لیے ہیں کہ ذُرِّيَّتَهُمْ سے مراد ان کی اولادیں اور ان کے ضعیف لوگ ہیں پہلے قول کے مطابق الفلك سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے اور دوسری تاویل کی بنا پر یہ اسم جنس ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و احسان کا ذکر کیا کہ اس نے کشتیوں کو پیدا کیا ان میں انہیں سوار کردیا جس کے لیے چلنا اور سواری پر سوار ہونا مشکل ہوتا ہے جیسے اولادیں اور کمزور لوگ۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں ضمیریں متفق ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ذرية سے مراد آباء واجداد ہیں (2) اللہ تعالیٰ نے جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کیا آباء ذریت ہیں، اور ابناء بھی ذریت ہیں اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے یہ ابوعثمان کا قول ہے۔ آباء کو ذریت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ انہیں میں سے بیٹوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ ایک چوتھا قول یہ بھی ہے: ذرية سے مراد نطفے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے پیٹوں میں اٹھایا اور ان بٹیوں کو فلک مشحون سے تشبیہ دی؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔ سورۃ البقرہ میں لفظ ذرية کا اشتقاق اور اس کے بارے میں مفصل گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔ مشحون کا معنی بھری ہوئی ہے۔ فلك کا لفظ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ سورۂ یونس میں اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔

مَا يَرْكَبُوْنَ ۞ اصل میں ما یرکبونه ہے اسم موصول کی طوالت کی وجہ سے صلہ کی ضمیر حذف ہے اور اس لیے بھی کہ یہ آیت کا سرا ہے اس کے معنی میں تین قول ہیں: (1) مجاہد، قتادہ اور مفسرین کی ایک جماعت کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ من مثلہ سے مراد اونٹ ہے، اونٹ خشکی میں سواری کے لیے اسی طرح پیدا کیا گیا ہے جس طرح سمندر میں سواری کے لیے کشتی پیدا کی گئی ہے۔ عرب اونٹوں کو کشتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں، طرفہ نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 19　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

كَأَنَّ حُدُوجَ المالكيةِ غُدوةً خَلَايَا سفينٍ بالنواصِفِ مِن دَدِ(1)

گویا صبح کے وقت مالکیہ کے حودج بڑی کشتیاں ہیں جو دد کے کھلے میدان میں ہیں۔

خلایا، خلیة کی جمع ہے جس کا معنی بڑی کشتی ہے۔

(2) اس سے مراد اونٹ، چوپائے اور سواری کا ہر جانور ہے۔

(3) اس سے مراد کشتیاں ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ قول صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند متصل کے ساتھ مروی ہے کہ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ۝ سے مراد اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کشتیاں بنائیں جو اونٹوں کی مثل ہیں جن میں وہ سوار ہوتے ہیں۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد چھوٹی کشتیاں ہیں (2) جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی کشتیوں کی طرح بنایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے۔ ضحاک اور دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بعد بنایا گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی تاویل کے نتیجے میں یہ پانچواں قول سمجھ آتا ہے کہ فلک مشحون میں ذریة سے مراد وہ نطفے ہیں جو عورتوں کے بطن میں ہیں کہ اس کا معنی یہ ہو کہ عورتیں اس لیے پیدا کی گئیں ہیں تاکہ خاوند ان پر سوار ہوں (3)، لیکن میں نے کسی کو یہ بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ یعنی ہم انہیں سمندر میں غرق کر دیتے۔ ضمیر اصحاب ذریت کی طرف لوٹے گی یا سب کی طرف ہوئے گی یہ تاویل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے جس نے یہ کہا: من مثله سے مراد کشتیاں ہیں اونٹ نہیں تو ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا (4)؛ یہ سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے۔ شیبان نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے: ان کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی۔ دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔ صریخ، مصرخ کے معنی میں ہے یعنی فعیل، مفعل کے معنی میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ کیونکہ اس کے بعد ایسی چیز ہے جس میں رفع کے بغیر کوئی چیز جائز نہیں، نحوی یہ پسند کرتے ہیں لا رجل فی الدار ولا زید۔

لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ۝ کا معنی ہے انہیں غرق ہونے سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب سے انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا مگر ہماری رحمت ہی انہیں عذاب سے بچائے گی۔ کسائی نے کہا: اِلَّا رَحْمَةً یہ مستثنیٰ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی رحمت کے لیے مَتَاعًا اس کا معطوف ہے۔ حِیْنٍ سے مراد موت ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: قیامت تک مراد ہے معنی ہوگا مگر یہ کہ ہم ان پر رحمت کریں اور ان کی آجال تک انہیں لطف اندوز ہونے دیں (5)۔ اللہ تعالیٰ سابقہ امتوں کا عذاب جلدی لے آیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے عذاب کو موت اور قیامت تک مؤخر کر دیا اگرچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ وَ مَا تَاْتِيْهِمْ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 20 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ۝ وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ۖ
اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝
مَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً تَاۡخُذُهُمۡ وَهُمۡ يَخِصِّمُوۡنَ ۝ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ تَوۡصِيَةً
وَّلَاۤ اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو عذاب سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں الله نے دیا ہے، تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو: کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر الله چاہتا تو خود کھلا دیتا (اے ناصحو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو اور کافر کہتے ہیں: یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو تو اس کا مقررہ وقت بتا دو۔ یہ نا ہنجار نہیں انتظار کر رہے مگر ایک گرج کا جو اچانک انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے، پس نہ وہ اس وقت کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آ سکیں گے''۔

قتادہ نے کہا: مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ سے مراد تم سے قبل کی امتوں کے واقعات ہیں (1) اور وَمَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد آخرت ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور مجاہد نے کہا: مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ سے مراد سابقہ گناہ ہیں (2) اور وَمَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد آنے والے گناہ ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ سے مراد جو تمہاری عمر گذر چکی ہے (3) اور وَمَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد جو باقی ماندہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ سے مراد دنیا ہے اور وَمَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد عذاب آخرت ہے؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس قول نقل کیا ہے کہ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ سے مراد امر آخرت اور اس کے لیے اعمال ہیں اور وَمَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد دنیاوی امور ہیں ان سے بچو اور اس کے ساتھ دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ سے مراد جو تمہارے لیے ظاہر ہے اور وَمَا خَلۡفَكُمۡ سے مراد جو تمہارے لیے مخفی ہے (4)۔ جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: اذا قیل لھم ذلك أعرضوا اس کی دلیل مابعد قول ہے: وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ۝ جواب کی بجائے اس دلیل پر اکتفا کیا۔

اَنۡفِقُوۡا سے مراد فقراء پر صدقہ کرو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہودیوں کو جب فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضمیر کا مصداق مشرکین ہیں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقراء صحابہ نے یہ کہا (5): تم اپنے اموال میں سے جن کے

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 17 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 21 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 348
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 21 5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 19

بارے میں یہ خیال کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ ہمیں دو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا (الانعام:136) وہ اسی پر دلالت کرتا ہے، تو انہوں نے فقراء کو محروم رکھا اور مذاق کے طور پر کہا: اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں کھلاتا ہم تمہیں کچھ بھی نہ کھلائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے دین کی طرف لوٹو۔ انہوں نے کہا: کیا ہم تمہیں دیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے کھلاتا۔ انہیں مسلمانوں کا یہ قول پہنچا تھا کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے تو انہوں نے مذاق کے انداز میں کہا: کیا ہم اسے کھلائیں کہ اللہ تعالیٰ اگر اسے کھلانا چاہتا تو اسے غنی کر دیتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں زنادقہ تھے (1) جب انہیں مساکین پر صدقہ کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ کہتے: اللہ کی قسم! نہیں کیا اللہ تعالیٰ تو اسے فقیر بنائے اور ہم اسے کھلائیں؟ وہ مومنوں کی باتیں سنا کرتے وہ افعال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق کرتے وہ کہتے: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فلاں کو غنی کر دیتا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فلاں کو عزت دے دیتا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس طرح ہو جاتا۔ انہوں نے یہ جواب مومنوں کا استہزاء کرنے کے لیے نکالا اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے دیا جو مومن امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف معلق کر دیتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ قول اس لیے کیا تھا تا کہ مومنوں کے قول کو اپنے ساتھ مشروط کر دیں اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمہیں بھی رزق دے تو پھر تم ہم سے کیوں رزق طلب کرتے ہو؟ یہ استدلال باطل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو مال کا مالک بناتا ہے پھر اس میں حق لازم کر دیتا ہے گویا اتنا حصہ اس سے الگ کر دیا تو اعتراض کی کوئی وجہ نہیں رہتی وہ اپنے اس قول لَوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ میں سچے تھے لیکن دلیل میں جھوٹے تھے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا (الانعام:148) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ۝ (المنافقون) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار کا مومنوں کے حق میں قول ہے یعنی تم جو مال کا سوال کرتے ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہو اس میں تم گمراہی میں مبتلا ہو۔ کہا: یہ مقاتل اور دوسرے علماء نے معنی کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا کفار کے حق میں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے حق میں قول ہے جب انہوں نے اس جواب کے ساتھ رد کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے تو ابو جہل ان سے ملا اور کہا: اے ابو بکر! کیا تیرا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقراء کو کھانا کھلانے پر قادر ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، اس نے پوچھا: کیا وجہ ہے اس نے ان کو نہیں کھلایا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو فقر کے ساتھ آزمایا اور کچھ لوگوں کو غنا کے ساتھ آزمایا ہے، فقراء کو صبر کا حکم دیا اور اغنیاء کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا۔ تو ابو جہل نے کہا: اللہ کی قسم! اے ابو بکر! تو گمراہ ہے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلانے پر قادر ہے اور وہ انہیں نہیں کھلاتا پھر تو انہیں کھلاتا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: فَاَمَّا مَنْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 19

اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ (اللیل) نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت زنادقہ کے حق میں نازل ہوئی ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زندیق تھے وہ اس کائنات کے صانع پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اس قول کے ذریعے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے قشیری اور ماوردی نے اس کا ذکر کیا (1)۔

جب کفار کو یہ کہا گیا: اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ تو انہوں نے کہا: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ یہ قیامت کب برپا ہوگی؟ یہ کفار کی جانب سے استہزاء تھا یعنی یہ وعید متحقق نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وہ صرف حضرت اسرافیل کے نفحہ کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اپنی گرفت میں لے لے گی جبکہ وہ دنیا کے امور میں جھگڑ رہے ہوں گے تو وہ اسی جگہ مر جائیں گے، یہ صعق کا نفحہ ہے۔

یَخِصِّمُوْنَ میں پانچ قراءتیں ہیں: ابو عمرو اور ابن کثیر نے یَخَصِّمون پڑھا ہے یعنی یاء اور خاء کو مفتوح اور صاد پر شد پڑھی ہے ورش نے نافع سے اسی طرح روایت کی ہے۔

اصحاب قراءات اور ورش کے سوا اصحاب نافع نے یَخْصِّمون روایت کیا ہے یعنی خاء کو ساکن اور صاد کو مشدد پڑھا ہے یعنی دو ساکنوں کو جمع ذکر کیا ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے اسے یَخْصِمون پڑھا ہے خاء کو ساکن اور صاد کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یہ خصمہ سے مشتق ہے۔ عاصم اور کسائی نے اسے یَخِصِّمون پڑھا ہے یعنی خاء مکسور اور صاد مشدد ہے اس کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا۔ نفحہ انہیں آپہنچے گا جبکہ وہ آپس میں یہ دلائل قائم کر رہے ہوں گے کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (2)۔ ابن جبیر، ابوبکر سے وہ عاصم سے اور حماد، عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: پہلی قراءت ان سب سے واضح ہے اصل میں یہ یختصمون تھا تاء کو صاد میں مدغم کر دیا گیا اس کی حرکت خاء کی طرف نقل کر دی گئی۔ ابی کی قراءت میں یختصمون خاء کو ساکن کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں دو ساکنوں کا اجتماع ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی حرف مدہ اور لین نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے خاء کو اپنے اصل پر رکھتے ہوئے ساکن پڑھا ہے معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کلام اس معنی میں ہو یَخْصِمون مجادلھم عند انفسھم تو مفعول کو حذف کر دیا گیا۔

ثعلبی نے کہا: یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے۔ نحاس نے کہا: یَخِصِّمون کی اصل یختصمون ہے تاء کو صاد میں مدغم کیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے خاء کو کسرہ دیا گیا۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ یہ قراءت سب سے عمدہ اور اکثر مروی ہے اور جو صورت بہتر تھی اس کو ترک کر دیا یعنی تاء کی حرکت خاء کو دی اور اس کے لیے ایک اور حرکت لے آیا اور پھر یاء اور کسرہ کو جمع کر دیا اور گمان یہ کیا۔ یہ عمدہ اور اکثر مستعمل ہے۔ یہ اکثر کی قراءت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ فتحہ کے ساتھ قراءت اہل مکہ، اہل بصرہ، اور اہل مدینہ کی قراءت ہے؟ عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ کے ساتھ جو مروی ہے وہ اتباع کی وجہ سے ہے۔ یہ بحث یخطف میں سورۂ بقرہ میں اور یھدی میں سورۂ یونس میں گزر چکی ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 21 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 20

عکرمہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً کے بارے میں کہا: اس سے مراد صور میں پہلا نفحہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ بازاروں میں ہوں گے کوئی دودھ دوہ رہا ہوگا، کوئی کپڑا ماپ رہا ہوگا اور کوئی کام کاج میں مصروف ہوگا کہ صور پھونک دیا جائے گا۔

نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت برپا ہو جائے گی جبکہ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کے لیے اسے پھیلائے ہوئے ہوں گے وہ اسے ابھی نہیں لپیٹیں گے یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا تا کہ وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلائے ابھی وہ اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا ترازو نیچے جھکائے گا ابھی وہ اسے اوپر نہیں اٹھائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا لقمہ منہ کی طرف اٹھائے گا ابھی وہ اسے نہیں نگلے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی''(1)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے ''سب سے پہلے جو آدمی صور کی آواز سنے گا وہ وہ آدمی ہوگا جو اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا وہ چیخ مارے گا اور دوسرے لوگ بھی چیخ ماریں گے''(2)۔

وہ ایک دوسرے کو توبہ وغیرہ کی وصیت کی طاقت نہ رکھیں گے بلکہ اپنے بازاروں اور اپنے اپنے مواقع پر ہی مر جائیں گے جب وہ مر جائیں گے تو وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے کہ وہ ان کے لیے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ نہیں کہیں گے۔ قتادہ نے کہا: وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے کیونکہ ان کے ساتھ بہت جلد معاملہ کیا گیا ہے۔

وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَاِذَا ہُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰی رَبِّہِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ؕ ہٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَ صَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ہُمۡ جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ فَالۡیَوۡمَ لَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡئًا وَّ لَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۴﴾

''اور (دوبارہ جب) صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے (اس وقت) کہیں گے: ہائے ہم برباد ہو گئے کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہماری خواب گاہوں سے؟ آواز آئے گی: یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا اس کے رسولوں نے: نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج ظلم نہیں کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگران اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 22 2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ، باب خروج الدجال، جلد 2، صفحہ 403
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 22

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ یہ دوبارہ اٹھانے کے لیے دوسرا نفخہ ہے(1)۔ سورۂ نمل میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ نفخے دو ہیں تین نہیں ہیں، یہ آیت اسی معنی پر دال ہے۔ مبارک بن فضالہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا پہلے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر زندہ چیز کو موت عطا فرمائے گا اور دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر مردہ چیز کو زندہ کرے گا''(2)۔ قتادہ نے کہا: صور، صورۃ کی جمع ہے صورۃ اور صور اسی طرح ہیں جس طرح عمارت کی سورۃ (دیوار) اور سور ہوا کرتی ہے۔ عجاج نے کہا:

سرت إليه فی أعالی السُّورِ

میں اس کی طرف بلند دیواروں میں چلا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ☆ سے مروی ہے کہ انہوں نے وَنُفِخَ فِی الصُّوَرِ قراءت کی۔ نحاس نے کہا: الصُّوْر ہے یعنی واو ساکن ہے اس سے مراد سینگھ ہے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح مروی ہے اور کلام عرب میں یہ اسی طرح مروی ہے۔ اہل لغت نے یوں کہا:

نحنُ نَطَحْنَاهُمْ غَداةَ الغَوْرَيْن بالضَّابحاتِ فی غُبَار النَّقْعَيْن
نَطْحًا شَدِيدًا لا كَنَطْحِ الصُّورَيْن

ہم نے غورین کے دن آواز نکالنے والے گھوڑوں کے ساتھ شدید جنگ کی جبکہ غبار شدید تھا وہ جنگ سینگھ لڑانے والی جنگ نہ تھی۔

یہ بحث سورۃ الانعام میں مفصل گذر چکی ہے۔ الاجداث سے مراد قبریں ہیں اسے الاجداف بھی پڑھا گیا ہے(3)؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے یہ کہا جاتا ہے: جدث، جدف فصیح لغت جدث ہے اس کی جمع أجدث اور أجداث آتی ہے متنخل ہذلی نے کہا: عرفتُ بأجْدُثٍ میں نے قبروں کو پہچان لیا۔ اجتدث یعنی اس نے قبر بنائی۔

اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ وہ نکلتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے(4) اس معنی میں بچے کو نسل کہتے ہیں کیونکہ وہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ جلدی کرتے ہیں کیونکہ نسلان اور عسلان جلدی جلدی چلنے کو کہتے ہیں، اسی معنی میں بھیڑیے کی چال ہے۔ شاعر نے کہا:

بَرَدَ الليلُ عليه فَنَسَلْ(5)

رات اس پر ٹھنڈی ہوئی اور وہ تیز چلا یہ جملہ بولا جاتا ہے: عسل الذئب ونسل، لیعسل وینسل الذئب۔ یہ ضَرَبَ یَضْرِبُ کے باب سے ہے ینسل بھی کہتے ہیں اس سے مراد تیز چلنا ہے، معنی ہے وہ تیزی سے نکلتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: 28) یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ (القمر) یَوْمَ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 23 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 439 3۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 21
4۔ ایضاً 5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 23 ☆ ایک نسخہ میں ابن ہرمز ہے یہی صحیح ہے۔

یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿﴾ (المعارج) یعنی وہ بتوں کی طرف جلدی جاتے ہیں حدیث طیبہ میں ہے ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کمزوری کی شکایت کی تو فرمایا: ''علیکم بالنسل تم جلدی چلا کرو کیونکہ یہ انسان کو چست بنا دیتا ہے (1)''۔

ابن انباری نے کہا: يٰوَيْلَنَا پر وقف اچھا ہے پھر مَنْۢ بَعَثَنَا سے آغاز کرے بعض قراء سے مروی ہے يٰوَيْلَنَا مِنْۢ بَعْثِنَا، من کا میم اور بعثنا کا ثاء مکسور ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا سے بھی مروی ہے اس نقطہ نظر کے مطابق يٰوَيْلَنَا پر وقف کرنا اچھا نہیں یہاں تک کہ وہ پڑھے مِنْ مَّرْقَدِنَا۔

حضرت ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق مِنْ مَّرْقَدِنَا کے ساتھ وصل ہے تو یہ عام لوگوں کے مذہب کی صحت کی دلیل ہے۔ مہدوی نے کہا: ابن ابی لیلی نے قالوا یاویلتنا قراءت کی ہے یہ ویلکی تانیث ہے اس کی مثل يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ (ہود: 72) حضرت علی شیر خدا نے یاویلتا من بعثنا قراءت کی ہے من ویل سے متعلق ہے یاویلتا سے حال ہے تو من محذوف کے متعلق ہوگا گویا یہ کہا یاویلتا کائنا من بعثنا جس طرح جار مجرور کو ویل سے خبر بنانا صحیح ہے اسی طرح اس سے حال بنانا صحیح ہے مِنْ مَّرْقَدِنَا جار مجرور بعث کے متعلق ہے پھر یہ کہا گیا: انہوں نے یہ بات کیسے کہی جبکہ وہ تو اپنی قبروں میں عذاب دیے جا رہے ہوں گے؟ اس کا جواب ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا: وہ سو رہے ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے: وہ کہیں گے۔ ہائے افسوس! کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا ہے؟ ابو بکر انباری نے کہا: یہ حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ ھبنا کا لفظ قرآن کا حصہ ہے جس طرح وہ آدمی کہتا ہے جو قرآن پر طعن کرتا ہے بلکہ یہ تو بعثنا کی تفسیر ہے یا یہ اس کے کسی معنی کی تعبیر ہے۔

ابو بکر نے کہا: میں نے من ھبنا الف کے بغیر یاد کیا ہے جبکہ من کا نون ساکن ہے۔ لغت کے طریقہ کے مطابق یہ نہج ہے من اھبنا لون کو فتحہ دیا کہ اھب کے ہمزہ کے فتحہ کو من کے نون کو دیا اور ہمزہ کو ساقط کر دیا جس طرح عرب کہتے ہیں: مَن اخْبرك، مَن اعْلمت وہ اس سے مراد من اخبرك لیتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اھببت النائم فھب النائم میں نے سونے والے کو اٹھایا تو وہ اٹھ گیا۔ احمد بن یحییٰ نحوی نے ہمیں یہ سنایا:

وعاذلة هَبَّت بلَيْلٍ تَلُوْمُنِی

مجھے ملامت کرنے والی اٹھی اور ملامت کرنے لگی۔

ابو صالح نے کہا: جب پہلا نفخہ ہوگا تو اہل قبور سے عذاب اٹھا لیا جائے گا تو وہ دوسرے نفخہ تک سو جائیں گے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا اسی وجہ سے ان کا یہ قول ہوگا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا یہ حضرت ابن عباس، حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔

علماء معانی نے کہا: کفار جب جہنم اور اس کے عذاب کی انواع کو دیکھیں گے تو انہیں قبروں میں جو عذاب دیا گیا تھا وہ جہنم

1۔ النہایہ لابن الاثیر، جلد 5، صفحہ 49

کے عذاب کے مقابلے میں نیند کی طرح ہوگا۔ مجاہد نے کہا: مومن انہیں کہیں گے: یہ ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جسے ہدایت دی ہوگی وہ ان کفار کو یہ کہیں گے: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا۔ فراء نے کہا: فرشتے انہیں یہ کہیں گے۔ نحاس نے کہا: یہ تمام اقوال متفق ہیں کیونکہ ملائکہ مومنوں میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝ (البینہ) اسی طرح یہ حدیث ہے المؤمن عند اللہ خیر من کل ما خلق (1) مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فرشتوں اور دوسرے مومنوں نے انہیں یہ بات کہی ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جب کفار نے ایک دوسرے کو کہا: کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا تو انہوں نے جب اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جس کی انبیاء نے انہیں خبر دی تھی تو انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی پھر انہوں نے کہا: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور مرسلین نے سچ بولا تھا اور ہم نے اس کو جھٹلایا تھا، انہوں نے اس وقت اقرار کیا جب اقرار نے انہیں کچھ نفع نہ دیا بعض قاری یعنی حفص مِنْ مَّرْقَدِنَا پر وقف کرنے اور پھر کلام کو شروع کرتے هٰذَا ابو بکر بن انباری نے کہا: مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا پر عطف بہت اچھا ہے پھر تو کلام کو شروع کرے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ یہ بھی جائز ہے کہ تو هٰذَا پر وقف کرے اور مرقد کی اتباع میں هٰذَا کو جر دے اور مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ سے کلام کا آغاز کرے معنی ہوگا تمہارا اٹھایا جانا رحمن کا وعدہ ہے۔ نحاس نے کہا: کلام مِنْ مَّرْقَدِنَا پر مکمل ہو جاتی ہے اور هٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے اور اس کی خبر مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ ہے۔ یہ بھی جائز ہے هٰذَا، مَّرْقَدِنَا کی صفت ہونے کی حیثیت سے مجرور ہو تو اس صورت میں کلام مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا پر مکمل ہوگی اور مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ تین وجوہات سے محل رفع میں ہوگی۔

ابو اسحاق نے اس کی دو وجوہ ذکر کی ہیں: (1) هٰذَا مضمر ہے (2) کلام اس معنی میں ہو حق ما وعد الرحمن بعثکم (3) کلام اس معنی میں ہو بعثکم ما وعد الرحمن۔

ان کو دوبارہ اٹھانا اور انہیں زندہ کرنا ایک چیخ کی صورت میں ہوگا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ کہنا ہے: اے بوسیدہ ہڈیو! اے ٹوٹے ہوئے جوڑ اور ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے اکٹھے ہو جاؤ، حق کے قول کا بھی یہی معنی ہے یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ (ق) اور مُّهْطِعِیْنَ اِلَى الدَّاعِ (القمر: 8) کا مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت اگر واقعی یہ آپ سے ثابت ہے ان کانت الا زقیة واحدة اس میں زَقْیة کا معنی چیخ ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ هم ضمیر مبتدا ہے اس کی خبر جمیع ہے جو نکرہ ہے اور مُحْضَرُوْنَ اس کی صفت ہے محضرون کا معنی ہے انہیں جمع کیا جائے گا، انہیں حساب کے موقف میں حاضر کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ (النحل: 77) کی طرح ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، باب المسلمون فی ذمة اللہ، حدیث نمبر 3936، روایت بالمعنی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس روزان کے حساب میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ میں ما دو وجوہ سے محل نصب میں ہوگی: (1) فعل مجہول کا مفعول ثانی ہے، حرف جر حذف کر دیا گیا اصل میں بما کنتم تعملون تھا۔ یعنی تعملونہ۔ پس اسے حذف کر دیا گیا۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

''بے شک اہل بہشت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع) تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں طرح طرح کے لذیز پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے۔ تم سلامت رہو انہیں یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے۔ اور حکم ہوگا: اے مجرمو! میرے دوستوں سے آج الگ ہو جاؤ''۔

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ ار مجاہد نے کہا: باکرہ عورتوں کے ساتھ حقوق زوجیت نے انہیں غافل کر دیا ہوگا۔ ترمذی حکیم نے اپنی کتاب ''مشکل القرآن'' میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ہمیں محمد بن حمید رازی نے انہوں نے یعقوب قمی سے انہوں نے حفص بن حمید سے انہوں نے شمر بن عطیہ سے، انہوں نے شقیق بن سلمہ سے انہوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ باکرہ بیویوں سے حقوق زوجیت نے انہیں مشغول کر رکھا ہوگا (1)۔

محمد بن حمید، ہارون بن مغیرہ سے وہ نہشل سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

ابو قلابہ نے کہا: اسی اثنا میں کہ ایک جنتی اپنے اہل کے ساتھ مصروف ہوگا کہ اسے کہا جائے گا: اپنے اہل کی طرف توجہ کرو وہ کہے گا: اپنے اہل کے ساتھ مشغول ہوں۔ اسے کہا جائے گا: اپنے اہل کی طرف توجہ کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جنتی جنت کی لذات اور نعمتوں میں مصروف ہوں گے انہیں نافرمانوں کے جہنم میں جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی اور اس میں جو دردناک عذاب ہوگا اس کی کوئی پرواہ نہ ہوگی اگرچہ ان لوگوں میں اس کے قریبی رشتہ دار اور گھر والے ہوں گے؛ یہ سعید بن مسیب اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ وکیع نے کہا: شغل کا معنی سماع ہے۔ ابن کیسان نے کہا: فی مشغل کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی ملاقات میں مصروف ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی ضیافت میں مصروف ہوں گے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے میری اطاعت کی اور ان دیکھے میرے عہد کو یاد رکھا؟ وہ کھڑے ہوں گے گویا ان کے چہرے چودھویں کے چاند اور روشن ستارے ہوں گے وہ نور کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے ان کی لگام میں یاقوت کی ہونگی جو لوگوں کے سروں پر سے انہیں لے کر اڑتی

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 23 صفحہ 23

ہوں گی یہاں تک کہ وہ عرش کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے ان بندوں پر سلام جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے عہد کی حفاظت کی، میں نے تمہیں چن لیا، میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور میں نے تمہیں اختیار کیا ہے جاؤ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ، نہ آج تم پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غمگین ہو گے، وہ پل صراط سے اچکنے والی بجلی کی طرح گزر جائیں گے، ان کے لیے دروازے کھول دیئے جائیں گے پھر مخلوق ابھی میدان محشر میں کھڑی ہو گی تو وہ ایک دوسرے کو کہیں گے: اے قوم! فلاں کہاں ہے؟ فلاں کہاں ہے؟ جس وقت وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے تو ایک منادی ندا کرے گا: اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۔

شُغُل اور شُغْل اس میں دو لغتیں ہیں دونوں کے ساتھ اسے پڑھا بھی گیا ہے جس طرح رُعُب اور رُعْب، سُحُت اور سُحْت یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: فٰكِهُوْنَ کا معنی مسرورون ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی فرحون ہے (2)۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی معجبون ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ناعمون ہے۔ سب کا معنی باہم قریب ہے۔ فکاہت کا معنی بھی مزاح اور اچھی گفتگو ہے۔

ابو جعفر، شیبہ اور اعرج نے کہا فَكِهُوْنَ الف کے بغیر ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح فارِہ اور فرِہ اور حاذِر اور حذِر؛ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی اور ابو عبیدہ نے کہا: الفاکہ سے مراد ذو الفاکھۃ ہے یعنی اسم فاعل نسبت کے معنی میں ہے جس طرح شاتم، لاحم، تامر اور لابن ہے اور فَكِهٌ سے مراد متفکہ اور متنعم ہے۔ فکہون قتادہ کے قول میں الف کے بغیر ہے جس کا معنی معجبون (خوش ہونے والے) ہے۔ ابو زید نے کہا: یہ کہا جاتا ہے: رجل فکہ جب خوش ہونے والا اور مسکرانے والا ہو۔ طلحہ بن مصرف نے فاکھین پڑھا ہے یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ مبتدا اور خبر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ هُمْ تاکید ہو اور ازواجھم کا عطف ضمیر پر ہو اور متکئون، فاکھون کی صفت ہوئی۔ عام لوگوں کی قراءت فِيْ ظِلٰلٍ ظاء کے کسرہ اور الف کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن مسعود، عبید بن عمیر، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے اسے فی ظُلَل پڑھا ہے ظاء پر ضمہ ہے اور الف کے بغیر ہے ظِلال، ظل کی جمع ہے اور ظُلَل، ظلۃ کی جمع ہے۔

ارائک سے مراد خیموں میں پلنگ ہیں اس کا واحد اریکہ ہے جس طرح سفینہ کی جمع سفائن آتی ہے شاعر نے کہا:

كَاَنَّ احمرارَ الوردِ فوق غُصُونه بوقتِ الضحى فى روضةِ المتضاحِك

خُدُودُ عذارَى قد خَجِلن من الحَيَا تَهادَيْنَ بالريحان فوق الأرائِكِ

گویا گلاب کے پھول کی سرخی اس کی ٹہنیوں پر چاشت کے وقت مسکراتے باغیچے میں کنواری عورتوں کے رخسار ہیں جو حیا کی وجہ سے شرمندہ ہیں جو پلنگوں پر ریحان کا پھول باہم تحفہ دیتی ہیں۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 351 2۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 25

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنتی جب بھی اپنی عورتوں سے حقوق زوجیت ادا کر چکیں گے تو ان کی عورتیں باکرہ ہو جائیں گی (1)“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایک جنتی ستر سال تک حور سے معانقہ کرے گا نہ مرد اس سے اکتائے گا اور نہ وہ مرد سے اکتائے گی جب بھی وہ جنتی اس کے پاس آئے گا اسے باکرہ پائے گا جب بھی اس حور کی طرف لوٹے گا تو مرد کی شہوت لوٹ آئے گی وہ اس حور کے ساتھ ستر مردوں کی قوت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے گا ان کے درمیان منی نہ ہوگی وہ منی کے بغیر آئے گا اور وہ منی کے بغیر آئے گی۔

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ یہ مبتدا اور خبر ہیں لَهُمْ مَّا يَدَّعُونَ۝ میں دوسرا دال اصل میں تاء ہے کیونکہ دعا سے یفتعون کے وزن پر ہے یعنی وہ جو طلب کرے گا وہ چیز اسے عطا کر دی جائے گی؛ یہ ابو عبید نے معنی بیان کیا ہے۔ يَدَّعُونَ کا معنی ہے وہ آرزو کریں گے یہ دعا سے مشتق ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے جو جس چیز کا دعویٰ کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی فطرت پر پیدا کیا ہوگا کہ وہ ایسی چیز کا ہی دعویٰ کریں گے جو ان کے لیے جمیل اور حسین ہوگی۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: يَدَّعُونَ کا معنی ہے وہ خواہش کریں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سوال کریں گے۔ معنی قریب قریب ہے ابن انباری نے کہا: وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُونَ پر وقف کرنا اچھا ہے پھر سَلٰمٌ سے تو کلام کو شروع کرے معنی یہ ہوگا: ذلك لهم سلام، سلام کو اس طریقہ پر رفع دینا بھی جائز ہے وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُونَ مسلم خالص جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے لیے وہ مسلم اور خالص ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر مَّا يَدَّعُونَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ زجاج نے کہا: سلام یہ ما سے بدل کے طور پر مرفوع ہے معنی یہ بنے گا: ولهم أن سلام الله عليهم ان کا حق ہے اللہ تعالیٰ ان پر سلام بھیجے یہ جنتیوں کی خواہش ہوگی۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اسی اثنا میں کہ جنتی نعمتوں میں ہوں گے کہ ان کے لیے نور چمکے گا وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے کہ اللہ تعالیٰ اوپر کی جانب سے ظاہر ہوگا فرمایا: اے جنتیو! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان: سَلٰمٌ ۛ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ۝ کا یہی مفہوم ہے (3)، اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور وہ اس کا دیدار کریں گے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہوں گے اس وقت تک وہ جنت کی کسی اور نعمت کی طرف متوجہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حجاب میں ہو جائے گا جبکہ اس کا نور اور اس کی برکات ان کے گھروں میں باقی رہیں گے (4)؛ یہ ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے اس کا معنی صحیح مسلم میں بھی ثابت ہے ہم نے اس کی وضاحت سورۂ یونس آیت 26 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ میں بیان کر دی ہے یہ بھی جائز ہے کہ ما نکرہ ہو اور سلام اس کی صفت ہو معنی ہو جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں وہ ان کے لیے مسلم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع اور سلام اس کی خبر ہو ان صورتوں میں وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُونَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں سلاما

1۔ مجمع الزوائد، کتاب اهل الجنة، باب ما جاء في نساء اهل الجنة، جلد 10، صفحہ 771

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 26 3۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 479، حدیث نمبر 39339

4۔ سنن ابن ماجہ، باب فيما انكرت الجهمية، حدیث نمبر 179، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مفعول مطلق ہے اگر تو چاہے تو اسے حال کی حیثیت سے منصوب تسلیم کر لے تقدیر کلام یوں ہوگی ولھم مایدعون ذا سلام أو سلامۃ او مسلما اس تاویل کی صورت میں یَدَّعُوْنَ پر وقف اچھا نہیں۔ محمد بن کعب قرظی نے سِلْمٌ پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا: ذلك سلم لهم اس میں وہ کوئی تنازع نہیں کرتے تو اس صورت میں ولھم یدعون مکمل جملہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے سَلٰمٌ، وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ سے بدل ہو اور مَّا يَدَّعُوْنَ کی خبر لھم ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے سلام دوسری خبر ہو تو اس صورت میں کلام کا معنی ہو وہ انہیں کے لیے خالص ہے اس میں کوئی نزاع کرنے والا نہیں قَوْلًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قال اللہ ذالك قولا یا یقوله قولا فعل محذوف پر مصدر کا لفظ دلالت کرتا ہے اور دوسرے مذہب کی بنا پر یَدَّعُوْنَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ سجستانی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان سَلٰمٌ پر وقف مکمل ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ قول ماقبل سے خارج ہے۔

یہ کہا جاتا ہے: تمیزوا، امازوا اور امتازوا کا معنی ایک ہی ہے اور مجرد سے یوں مطاوعت کا صیغہ آتا ہے مِزْتُه فانماز و امتاز اور تفعیل سے یوں صیغہ آتا ہے میزته فتمیز جب جنتیوں کو جنت کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا تو سوال کے لیے جب وہ کھڑے ہوں گے تو اس وقت انہیں یہ بات کہی جائے گی یعنی ان سے نکل جاؤ۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے یہ بہشت سے الگ کر دیئے گئے (1)۔ ضحاک نے کہا: مجرم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے (2)، یہودی ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، نصاریٰ ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، مجوسی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے، صابی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے اور بت پرست ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: ہر جماعت کا جہنم میں ایک کمرہ ہوگا جس میں اسے داخل کر دیا جائے گا اور وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ وہ کسی کو دیکھیں گے اور نہ وہ کسی کو دکھائی دیں گے۔ داؤد بن جراح نے کہا: مسلمان مجرموں سے الگ ہو جائیں گے مگر خواہش کے پجاری مجرموں کے ساتھ ہوں گے (3)۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۰﴾ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

''کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے، گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس کی آگ تاپو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے''۔

آیت کریمہ میں عہد سے مراد وصیت ہے کیا میں نے تم کو وصیت نہیں کی اور رسولوں کی زبانوں پر تمہیں پیغام حق نہیں

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 29　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 25　3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 27

پہنچایا کہ تم میری نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کی اطاعت نہیں کرو گے۔ کسائی نے کہا لا نہی کے لیے ہے اَنِ اعْبُدُوْنِیْ یہ نون کے کسرہ کے ساتھ اپنے اصل پر ہے جس نے اسے ضمہ دیا ہے اس نے کسرہ کے بعد ضمہ کو ناپسند کیا ہے۔

اضل کا معنی اغوی ہے یعنی اس نے گمراہ کیا جبلا کا معنی مخلوق ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی جموعا کثیرہ ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی امما کثیرہ ہے معنی سب کا ایک ہی ہے۔ اہل مدینہ اور عاصم نے جِبِلًّا پڑھا ہے ابو عمرو اور ابن عامر نے جُبْلًا پڑھا ہے باقی قراء نے جُبُلًا پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمر، عبد اللہ بن عبید اور نضر بن انس نے اسے مشدد پڑھا ہے یہ پانچ قراءتیں ہیں۔ مہدوی اور ثعلبی نے کہا: سب لغتیں خَلَق کے معنی میں ہیں۔ نحاس نے کہا: سب سے واضح پہلی قراءت ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ سب نے اتفاق کیا ہے کہ انہوں نے وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿ (الشعرا) پڑھا ہے تو جبلا، جبلة کی جمع ہے سب کا اشتقاق ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا۔ اس میں چھٹی قراءت بھی ذکر کی گئی ہے وہ ہے جِبلا ضحاک سے یہ مروی ہے کہ ایک جبل سے مراد ستر ہزار افراد ہیں کثیر سے مراد ہے کہ جس کا شمار اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔ کیا تم شیطان کی عداوت کو نہیں جانتے اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تو تم نے اسے جھٹلایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہو گا اللہ تعالیٰ انسانوں، جنوں، اولین و آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا پھر جہنم کی گردن مخلوقات پر جھانکے گی تو وہ ان سب کو گھیر لے گی پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿ اس موقع پر لوگ اپنے گھٹنوں کے بل جھک جائیں گے ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے سے غافل ہو جائے گی، تو لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھے گا جبکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے''۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿ وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى یُبْصِرُوْنَ ﴿ وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿ وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿

''آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان بدکاریوں پر جو وہ کمایا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان اندھوں کو راستہ کیسے نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 27

انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر وہ نہ آگے جاسکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو پھر کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے''۔

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو کس وجہ سے میں ہنسا ہوں؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''بندہ اپنے رب سے جس انداز میں خطاب کرتا ہے اس وجہ سے میں ہنسا ہوں بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تم نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ بندہ عرض کرتا ہے: میں اپنے سوا کسی کو اپنے اوپر گواہ جائز نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تجھ پر تیرا نفس اور کراماً کاتبین ہی گواہ کافی ہیں۔ فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: بول تو وہ عضو اس کے اعمال کے بارے میں بات کرے گا پھر اس کے اور ان کی گفتگو کے درمیان رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی تو وہ اعضاء کو کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا میں اس لیے تمہاری حفاظت کرتا رہا؟'' (1)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے اس میں ہے ''پھر اسے کہا جائے گا: اب ہم تم پر کوئی گواہ لاتے ہیں، وہ اپنے بارے میں سوچ و بچار کرے گا مجھ پر کون گواہی دے گا؟ تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: بول تو اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کے بارے میں بتائیں گی۔ یہی وہ شخص ہے جو گناہ کیا کرتا تھا، یہی منافق تھا اور یہی وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا''۔

امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: ''یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں سوار اور پیدل جمع کیا جائے گا تمہیں قیامت کے روز کھینچا جائے گا تمہارے مونہوں پر چھینکے ہوں گے تم سترویں امت کو پورا کرو گے تم ان میں سے بہترین ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ہو، تمہارے اعضاء میں سے سب سے پہلے جو اظہار کرے گی وہ اس کی ران ہوگی''۔ دوسری روایت میں ''اس کی ران اور اس کی ہتھیلی ہوگی''۔ فدام سے مراد وہ کپڑا ہے جو کوزے اور لوٹے کے اوپر باندھا جاتا ہے؛ یہ لیث نے کہا۔

ابو عبیدہ نے کہا: یعنی انہیں گفتگو سے روک دیا جائیگا یہاں تک کہ ان کی رانیں گفتگو کریں گی۔ تو گفتگو سے روکنے کے عمل کو اس کپڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جسے لوٹے پر باندھا جاتا ہے منہ پر مہر لگانے کی چار وجوہ ذکر کی گئی ہیں: (1) انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے ہمارے رب ہم شرک کرنے والے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مونہوں پر مہریں لگا دیں یہاں تک کہ ان کے اعضاء نے گفتگو کی؛ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے۔

(2) اہل موقف انہیں پہچان لیں اور ان سے ممتاز ہو جائیں گے؛ یہ ابن زیاد کا قول ہے۔

(3) غیر ناطق کا اقرار اس کے اقرار سے دلیل میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے جو گفتگو کرسکتا ہو کیونکہ اس کی گفتگو معجزہ کے حکم میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، جلد 2، صفحہ 409

ہوتی ہے اگرچہ اس دن کسی معجزہ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

(4) تاکہ وہ خود جان لے کہ اس کے اعضاء اس کے بارے میں مددگار تھے تو وہ اس کے رب کے حق میں گواہ ہو گئے

اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیوں فرمایا: وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ ہاتھ کے اظہار کو کلام اور پاؤں کے اظہار کو گواہی قرار دی؟ اس کا جواب دیا جائے گا: ہاتھ خود عمل کرتا ہے اور پاؤں حاضر ہوتا ہے اور حاضر کا قول غیر پر گواہ ہوتا ہے فاعل کا اپنے بارے میں قول اقرار ہوا کرتا ہے خواہ وہ قول کرے یا عمل کرے اسی وجہ سے ہاتھوں سے جو کچھ صادر ہو گا اس کو قول سے تعبیر کیا اور جو کچھ پاؤں سے صادر ہوا اس کو شہادت کہتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس روز منہ پر مہر لگادی جائے گی اس روز جو ہڈی سب سے پہلے کلام کرے گی وہ بائیں ٹانگ کی ران ہوگی''، یہ ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جو گمان کرتا ہوں کہ انسان کی ہڈی جو سب سے پہلے گفتگو کرے گی وہ اس کی دائیں ران ہوگی؛ یہ بھی مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ذکر کیا: یہ احتمال موجود ہے کہ اعضاء میں سے پہلے ران گفتگو کرے گی کیونکہ وہ گناہوں کی لذت کا ادراک ان حواس سے کرتا ہے جو اس کے نچلے دھڑ میں ہوتے ہیں ان میں سے ران بھی ہے تو کیونکہ وہ قریب تر عضو ہے اس لیے وہ گواہی دینے میں سب سے پہلے ہوگی کہا: بائیں ران پہلے گواہی دے گی کیونکہ دائیں اعضاء میں شہوت بائیں اعضاء کی بنسبت قوی ہوگی اسی وجہ سے بائیں ران، دائیں ران پر گواہی دینے میں مقدم ہوگی کیونکہ اس میں شہوت کم ہوتی ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: یا اس کے برعکس ہوگا کیونکہ شہوت کا غلبہ ہوگا یا دونوں رانیں اور ہتھیلی اکٹھے گواہی دیں گے کیونکہ اس کے مجموعے سے ہی شہوت اور لذت مکمل ہوتی ہے۔

کسائی نے یوں حکایت بیان کی ہے: طَمَسَ، يَطْمِسُ، يَطْمُسُ اہل لغت کے نزدیک مطموس اور طمس اس اندھے کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں میں شق ہی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں ہدایت سے اندھا کر دیا وہ کبھی بھی حق کے راستہ کی طرف ہدایت پانے والے نہیں۔ حضرت حسن بصری اور سدی نے کہا: ہم نے انہیں اندھا بنا کر چھوڑ دیا وہ متردد گھومتے پھرتے ہیں اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اندھا بنا دیا وہ اپنے گھروں اور دوسری جگہ اپنے تصرفات کے طریقہ کو نہیں دیکھتے، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

پس انہوں نے راستہ کی طرف جلدی کی تاکہ وہ گذر جائیں تو وہ کہاں سے دیکھیں۔ عطا، مقاتل اور قتادہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی گمراہی کی آنکھوں کو پھاڑ دیتے ہم انہیں ان کی گمراہی سے اندھے کر دیتے اور ان کی نظروں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیر دیتے پس وہ ہدایت پا جاتے، اپنی ہدایت کو دیکھ لیتے اور آخرت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 28

کے راستہ کی طرف جلدی کرتے جبکہ ہم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا تو وہ کیسے ہدایت پا سکتے تھے جبکہ ہدایت کی آنکھ ہی بند تھی اور گمراہی پر باقی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام سے سابقہ گفتگو سے مختلف مروی ہے انہوں نے یہ تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز ہوگا کہا: جب قیامت کا دن ہوگا پل کو بچھا دیا جائیگا ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ اور اس کی امت کھڑی ہو جائے تو ان میں سے نیک و بد سب کھڑے ہو جائیں گے وہ سرور دو عالم ﷺ کے پیچھے چلیں گے تا کہ وہ پل صراط سے گذر جائیں پھر ایک منادی اعلان کرے گا: چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کھڑی ہو۔ آپ علیہ السلام اور آپ کی امت کھڑی ہوگی تو نیک و گناہگار ان کے پیچھے چل پڑیں گے تو ان کا راستہ وہی ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہوگا باقی ماندہ انبیاء کی حالت بھی ایسے ہی ہوگی؛ نحاس نے یہ ذکر کیا ہم نے اس کا ذکر ''تذکرہ'' میں کیا ہے یہ اسی کے مناسب ہے جو ابن مبارک نے ''رقائق'' میں ذکر کیا ہے اور قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسود بن اسود نے ایک پتھر اٹھایا جبکہ اس کے ساتھ بنی مخزوم کی ایک جماعت تھی اس نے پتھر اس لیے اٹھایا تھا تا کہ نبی کریم ﷺ پر اسے پھینکے اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کو بند کر دیا پتھر کو اس کے ہاتھ کے ساتھ چمٹا دیا نہ اس نے دیکھا اور نہ اس نے ہدایت پائی اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ مطموس اسے کہتے ہیں جس کی پلکوں کے درمیان شق نہ ہو یہ طمس الریح الاثر سے مشتق ہے؛ یہ اخفش اور قتبی نے کہا۔

مسخ سے مراد خلقت کو تبدیل کر دینا ہے اسے پتھر، جماد یا چوپایا بنا دینا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: معنی ہے ہم نے انہیں بٹھا دیا وہ طاقت نہیں رکھتے کہ آگے گزریں اور پیچھے ہٹیں اسی طرح جامع چیز آگے اور پیچھے نہیں ہو سکتی بعض اوقات مسخ انسان کو چوپایا بنانے کی صورت میں ہوتا ہے پھر وہ چوپایا کسی ایسے موقع و محل کی سمجھ نہیں رکھتا کہ جس کا وہ قصد کرے پس وہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم ان کے مسکنوں میں ہی انہیں ہلاک کر دیتے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم اسے اس جگہ پر مسخ کر دیتے جہاں اسنے نافرمانی کی جرأت کی تھی۔ حضرت ابن سلام نے کہا: یہ سب کچھ قیامت کے روز ہوگا اللہ تعالیٰ پل صراط پر سے گذرتے وقت ان کی آنکھوں کو مسخ کر دے گا۔ حضرت حسن بصری، سلمی، زر بن حبیش اور عاصم نے ابو بکر کی روایت میں مکاناتھم جمع کا صیغہ ہے جبکہ باقی نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے ابو حیوہ نے فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا قراءت کی ہے۔ المضی جب میم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے جس کا معنی جانا ہے۔

عاصم اور حمزہ نے نُنَكِّسْهُ پڑھا ہے یہ تنکیس سے مشتق ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نَنْكُسْهُ پڑھا ہے یہ نکست الشیٔ انکسہ نکسا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اسے سر کے بل الٹایا تو وہ الٹ گیا۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ نے اسے اس بڑھاپے کی حالت کی طرف پھیرا جو بچے کی حالت کے مشابہ ہے۔ سفیان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب وہ اسی سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو اس کے جسم میں تبدیلی آجاتی ہے اور اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے(3)۔ شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 353 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 29 3۔ ایضاً

من عاش أخلقتِ الأيامُ جِدَّتَهُ　　وخانه ثِقَتَاه السمعُ والبصرُ(1)

جو آدمی طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے تو ایام اس کی تروتازگی کو بوسیدہ کر دیتے ہیں اور اس کی دو قابل اعتماد چیزیں یعنی قوت سماعت اور قوت بصارت اس کے ساتھ خیانت کرتی ہیں۔

لمبی عمر جوانی کو بڑھاپے، قوت کو ضعف، زیادتی کو نقص میں تبدیل کر دیتی ہے یہی غالب طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذل عمر کی طرف لوٹائے جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی (2)۔ سورۂ نحل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس نے ایسا کیا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ نافع اور ابن ذکوان نے تعقلون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یَعْقِلُوْنَ پڑھا ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

''اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے، نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے تاکہ وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ حجت تمام کر دے کفار پر''۔

اس آیت میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حال کی خبر دی اور کفار کے قول کا رد کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور قرآن شعر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہیں کہتے تھے اور نہ موزوں کلام کیا کرتے تھے جب آپ کوئی مثال بیان کرنے کے لیے کوئی مصرعہ کہنے کا ارادہ کرتے تھے تو اس کے وزن کو توڑ دیتے آپ صرف معانی کی حفاظت کا اہتمام کرتے تھے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (3) طرفہ کا شعر پڑھا:

ستُبدِي لك الأيام ما كنتَ جاهلًا　　ويأتيك من لم تزوِّده بالأخبار(4)

زمانہ تیرے لیے وہ چیز ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف تھا اور تیرے لیے وہ خبریں لے آئے گا جس کو تو نے زادِ راہ نہ دیا۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر پڑھا:

ألم تریانی کلما جئت طارقًا　　وجدتُ بها وان لم تطیّب طیبًا(5)

ایک روز آپ نے یہ شعر پڑھا:

أتجعلُ نَهبی ونَهبَ العبید　　بین الأقرع وعُیَینَه(6)

1۔ الحماسہ، صفحہ 144 مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن

2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب استعاذۃ من ارذل العمر، جلد 2، صفحہ 943

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461　　4۔ جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی انشاد الشعر، جلد 2، صفحہ 108

5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461　　6۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء المؤلفۃ، جلد 1، صفحہ 339

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید ہی کبھی صحیح شعر پڑھا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا شعر پڑھا:

یَبِیتُ یُجَافِی جَنْبَهٗ عَن فِرَاشِهٖ إذا استثقلت بالمشرکین المضاجعُ(1)

اس کا پہلو بستر سے الگ تھلگ رات گزارتا ہے جبکہ بستر مشرکین سے بوجھل ہو جاتے ہیں۔ حضرت حسن بن ابی الحسن نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

کَفٰی بالإسلام والشیبِ للمرءِ ناهیا(2)

اسلام اور بڑھاپا انسان کو خبردار کرنے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نے تو کہا ہے:

هریرةَ ودِّعْ إن تجهزتَ غادیا کَفٰی الشیبُ والإسلامُ للمرءِ ناهیا

حضرت ابوبکر یا حضرت عمر نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ خلیل بن احمد سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شعر سب سے مرغوب کلام تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعر کہتے نہیں تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ کبھی کبھی صحیح وزن سے کلام کرنا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعر جانتے تھے اس طرح آپ نثر میں سے ایسا کلام کرتے تھے جو موزوں ہوتا جس طرح یوم حنین اور دوسرے مواقع پر فرمایا۔

هل أنت إلا إصبعٌ دَمِیتِ وفی سبیلِ اللهِ مالَقِیتِ(3)

تو تو محض ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی تو نے اللہ کی راہ میں دشمن سے ملاقات نہیں کی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا:

أنا النبیْ لا کَذِبْ أنا ابن عبدِالمُطلبْ(4)

میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں ابن عبدالمطلب ہوں۔

آپ قرآن کی آیات اور ہر کلام میں اسی طرح کا انداز اپناتے نہ وہ شعر ہوتا اور نہ ہی اس کے معنی میں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: 92) اللہ تعالیٰ کا فرمان: نصر من اللہ وفتح قریب۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (سبا: 13) اس کے علاوہ کئی اور آیات ہیں۔ ابن عربی نے ان میں سے آیات کا ذکر کیا ہے ان پر گفتگو کی اور وزن سے خارج کیا کہا: ابوالحسن اخفش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انا النبی لا کذب کے بارے میں کہا: یہ شعر نہیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب هجاء المشرکین، جلد 2، صفحہ 909

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 353

3۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، جلد 1، صفحہ 393

4۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من قاد دابة، جلد 1، صفحہ 401

خلیل نے کتاب ''العین'' میں کہا: جو مجمع دو جزءوں میں آئے وہ شعر نہیں ہوتا ان سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ منہوک الرجز(1) میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منہوک الرجز میں سے نہیں ہوتا مگر جب لا کذب اور عبد المطلب کی باء پر وقف کیا جائے کسی کو یہ معلوم نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کہا۔ ابن عربی نے کہا: غالب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا کذب کی باء کو مرفوع کہا اور عبد المطلب کی باء کو اضافت کی وجہ سے مکسور پڑھا ہے۔

نحاس نے کہا: بعض نے کہا روایت اعراب کے ساتھ ہے جب روایت اعراب کے ساتھ ہو تو وہ شعر نہیں ہوگا کیونکہ وہ جب پہلے بیت کی باء کو فتحہ دیں یا ضمہ دیں یا تنوین دیں اور دوسرے مصرعے کی باء کو کسرہ دیں تو وہ شعر کے وزن سے نکل جائے گا۔ بعض نے کہا: یہ وزن شعر کا نہیں یہ بڑے لوگوں کا مکابرہ ہے کیونکہ عربوں کے اشعار اس وزن پر خلیل اور دوسرے علماء نے روایت کیے ہیں جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ھل أنت إلا اصبع دمیت (2) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ بحر سریع میں سے ہے یہ اس وقت ہوگا جب تو دمیت کی تاء کو کسرہ دے اگر اسے ساکن پڑھا جائے تو کسی صورت میں بھی شعر نہیں ہوگا کیونکہ اس حقیقت پر دونوں کلمے فعول کا وزن ہوتا ہے جبکہ بحر سریع میں فعول کا کوئی دخل نہیں شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تاء ساکنہ یا تاء متحرکہ کی اشباع کے بغیر کہا ہو۔ انفعال کی صورت میں اعتماد اس پر ہوگا کہ اسے شعر تسلیم کر لیا جائے اور اعتراض ساقط ہو جاتا ہے اس سے پھر بھی لازم نہیں آتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعر کا علم رکھتے تھے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ آپ شاعر تھے بیت نزر کی شکل اختیار کرنا اور رجز وغیرہ کے دو قافیوں کا پانا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ اس کا قائل شعر کو جانتا ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے شاعر نہیں کہتے جس طرح کوئی آدمی ایک دفعہ کپڑا سی لے تو اسے خیاط نہیں کہتے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا کہ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کا معنی ہے کہ ہم نے اسے شاعر نہیں بنایا یہ اس کے مانع نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہیں۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے یہ اس میں سے بہترین گفتگو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر کی تعلیم نہیں دی مگر اس کی خبر نہیں دی کہ آپ شعر نہ کہیں یہی کلام کا ظاہر معنی ہے اس میں ایک واضح قول کیا گیا ہے۔ قول کرنے والے نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ اہل لغت کا اجماع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے کہا ہے: جس نے کوئی موزوں کلام کیا جس کے ساتھ وہ شعر کا قصد نہیں کرتا تھا تو وہ شعر نہیں ہوتا وہ شعر کے موافق ہوتا ہے، یہ واضح قول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے جس چیز کی نفی کی ہے وہ شعر اس کے اصناف قوافی کے علم کی نفی ہے اور اس کے ساتھ متصف ہونے کی نفی کی ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ متصف نہ تھے کیا تم دیکھتے نہیں کہ قریش آپس میں مشورہ کرتے تھے کہ موسم حج کے موقع پر جب عرب ان کے پاس آئیں گے تو وہ انہیں کیا کہیں گے؟ بعض نے کہا: ہم کہیں گے وہ شاعر ہے: ان میں سے بعض ذہین لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! عرب تم کو جھٹلا دیں گے کیونکہ وہ شعر کی اصناف کو خوب سمجھتے ہیں اللہ کی قسم! ان کا کلام تو شعروں میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں اور نہ ہی ان کا قول شعر ہے۔ حضرت انیس جو حضرت ابوذر کے بھائی تھے کہا: تحقیق میں نے ان کے کلام کو

1۔ بحر رجز کے دو ثلث (دو تہائی) کو حذف کرنا بقیہ کو منہوک کہتے ہیں۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من ینکب، جلد 1، صفحہ 393

شعر کی اصناف پر پیش کیا تو یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ وہ شعر ہے؛ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت انیس عربوں کے عمدہ شاعر تھے۔ اسی طرح عتبی بن ربیعہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو کہا: اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، وہ کہانت نہیں، وہ جادو نہیں جس کی وضاحت سورۂ فصلت میں انشاء اللہ آئے گی اس کے علاوہ بھی عرب کے فصحاء اور بلغاء نے یہی کہا ہے۔ زبان پر جو کلام موزوں جاری ہوتا ہے اسے شعر نہیں کہتے اس موزوں کلام کو شعر شمار کیا جاتا ہے جو شعر کے وزن پر ہو اور شعر کا قصد بھی کیا جائے کوئی کہنے والا کہتا ہے: ایک بزرگ نے ہمیں بیان کیا ینادی یا صاحب الکسائی۔ اسے شعر شمار نہیں کیا جاتا۔ ایک آدمی اپنی مرض میں یوں ندا کیا کرتا تھا: اذھبوابی الی الطبیب وقولوا قد اکتوی یہ کوئی شعر نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے شعر کہنے کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: زیادہ شعر نہ کہا کرو اس کا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے پاس شعراء کو جمع کرو اور ان سے شعر کے بارے میں پوچھو کیا ان کے ہاں شعر کی پہچان باقی ہے؟ حضرت ابو موسیٰ نے لبید کو حاضر کیا کہا: اس نے انہیں جمع کیا اور ان سے پوچھا انہوں نے کہا: ہم شعر پہچانتے ہیں اور ہم شعر کہتے ہیں، انہوں نے لبید سے سوال کیا تو لبید نے کہا: جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام: الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ سنا میں نے شعر نہیں کہا۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت شعر کا عیب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ (عنکبوت: 48) کتابت کے عیب میں سے نہیں ہے جب امیت خط کے عیب میں سے نہیں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کی نفی شعر کا عیب نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مامون نے ابو علی منقری سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو امی ہے تو شعر صحیح نہیں کہہ سکتا اور تو غلطی کر جاتا ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! جہاں تک غلطی کا تعلق ہے بعض اوقات سبقت لسانی سے ایسا ہو جاتا ہے جہاں تک امی ہونے اور شعر کو توڑ دینے کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو نہیں لکھتے تھے اور شعر درست نہیں پڑھتے تھے تو مامون نے کہا: میں نے تجھ سے تین عیبوں کے بارے میں پوچھا تھا تو نے چوتھے کا اضافہ کر دیا ہے وہ جہالت ہے اے جاہل! جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس وصف کا تعلق ہے وہ فضیلت ہے جبکہ تجھ میں اور تیرے جیسے دوسرے افراد میں نقص ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روکا گیا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تہمت کو ختم کیا جائے شعر اور کتابت میں کسی عیب کی وجہ سے ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

مسئلہ نمبر 4۔ شعر کہنا آپ کے لیے مناسب نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات میں سے ایک علامت بنایا ہے تاکہ جن کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ہے انہیں اشتباہ نہ ہو تو اس سے یہ گمان پیدا نہ ہو کہ آپ قرآن پر اس لیے قوی تھے کیونکہ آپ کو شعر کہنے کی قوت حاصل ہے ملحد کو اس بنا پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں کہ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں وزن اتفاقاً پایا جا رہا ہے کیونکہ جس کا وزن شعر کے وزن کے موافق ہے جبکہ شعر کا قصد نہیں کیا تو وہ شعر نہیں ہوتا تو عام لوگوں میں سے جو بھی موزون کلام کرتا وہ شعر ہوتا جبکہ لوگ اسے شاعر نہیں کہتے، جس کی وضاحت پہلے

گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے کسی کا شعر دہرانا اور اپنی جانب سے شعر کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسان نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تم پر تلاوت کرتے ہیں وہ ذکر اور قرآن حکیم ہے۔

حَیًّا سے مراد دل کا زندہ ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: حَیًّا سے مراد دانشمند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ڈرائیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی جب تاء کے ساتھ قراءت ہو اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو۔ باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لوٹے گا یا فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن حکیم کی طرف منسوب ہوگا۔ ابن سمیقع سے لِیُنْذَرَ مروی ہے۔ وَیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ۝ یعنی کافروں پر قرآن کے ذریعے حجت ثابت ہو چکی ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ۝ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ۝ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ۝

"کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لیے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی مویشی پھر اب یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان مویشیوں میں اور بھی کئی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے"۔

آیت میں رؤیت سے مراد دل کا دیکھنا ہے یعنی کیا وہ نظر و فکر نہیں کرتے، عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچ و بچار نہیں کرتے ان اعمال میں جو ہم نے بغیر مثال کے کیے ہیں اور واسطہ، وکالت اور شراکت کے بغیر کیے ہیں مِّمَّا میں ما، الذی کے معنی میں ہے ضمیر عائد اسم کی طوالت کی وجہ سے حذف کر دی گئی اگر ما کو مصدریہ بنایا جائے تو ضمیر حذف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انعام یہ نعم کی جمع ہے اور نعم مذکر ہے۔ اب یہ لوگ ان جانوروں کے مالک ہیں اور ان پر غالب ہیں (1)۔ ہم نے ان جانوروں کو ان کے لیے مسخر کیا ہے (2) یہاں تک کہ ایک بچہ بڑے اونٹ کی مہار کو پکڑ کر چلتا ہے، اسے مارتا ہے جیسے چاہتا ہے اس سے کام لیتا ہے اور اس کی طاعت سے نہیں نکلتا ان جانوروں میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر سواری کی جاتی ہے رکوب کی عام قراءت راء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس طرح حلوب محلوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اعمش، حسن بصری اور ابن سمیقع نے رُکوبهم پڑھا ہے یعنی راء مضموم ہے اور مصدر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے اسے رکوبتهم پڑھا ہے ان کے مصحف میں بھی ایسا ہے۔ رکوب اور رکوبة کا معنی ایک ہی ہے جس طرح حلوب اور حلوبه، حمول اور حموله۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 27
2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 292

نحوی کوفیوں نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب کہتے ہیں: امراۃ صبور، شکور اس کے آخر میں ھاذکر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں شاۃ حلوبۃ، ناقۃ رکوبۃ کیونکہ انہوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس امر میں فرق کریں کہ کس کا فعل ہے اور کس پر فعل واقع ہو رہا ہے؟ فاعل سے انہوں نے ھاء کو حذف کر دیا ہے اور مفعول میں اسے ثابت رکھا جس طرح شاعر نے کہا:

فیها اِثْنَتانِ وأربعون حَلُوبَةً سُودًا کخافیةِ الغرابِ الأسْحَمِ(1)

''ان میں بیالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جنہیں دوہا گیا ہے وہ سیاہ رنگ کی ہیں جس طرح سیاہ کوے کے پر ہیں''۔ اس تعبیر کی بنا پر رکوبتھم ہونا واجب ہے۔ جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے وہ کہتے ہیں: ھاء تانیث نسبت کی وجہ سے حذف ہے۔ پہلے قول کی دلیل وہ ہے جو جرمی نے ابوعبیدہ سے نقل کی ہے کہا: رکوبۃ یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے ہے اور رکوب صرف جمع کے لیے ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ جمع کے مذکر ہونے کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا: فَمِنْهَا رُكُوْبُهُمْ راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں کیونکہ وہ مصدر ہے اور رکوب اسے کہتے ہیں جس پر سوار ہوا جاتا ہے، فراء نے اسے جائز قرار دیا ہے یعنی راء کے ضمہ کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: فمنها أكلهم ومنها شربهم ان میں سے کچھ ان کا کھانا ہے اور ان میں سے کچھ ان کا مشروب ہے اور ان کے گوشت تم کھاتے ہو ان کے کئی اور منافع بھی ہیں یعنی اون، بال وغیرہ ان کی چربیاں اور گوشت وغیرہ۔ مشارب سے مراد ان کے دودھ ہیں (2)۔ یہ منصرف نہیں کیونکہ دونوں جمع ہیں واحد میں ان کی کوئی مثال نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

''اور ان ظالموں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شائد وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی اور یہ کفار ان معبودوں کے لیے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو اے حبیب! ان کا قول، ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں''۔

ان لوگوں نے ہماری قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھا ہے پھر انہوں نے ہمیں چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کسی فعل پر قدرت نہیں رکھتے جبکہ وہ ان کی اس وقت مدد کی امید رکھتے ہیں اگر ان پر عذاب نازل ہو عرب یوں کلام کرتے ہیں لعله ان یفعل جبکہ وہ معبودان باطلہ ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ بتوں کے لیے فعل واو نون کے ساتھ جمع ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے بارے میں خبر دی گئی ہے جس طرح انسانوں کے بارے میں خبر دی جاتی ہے۔

جبکہ کفار ان جھوٹے معبودوں کے حاضر لشکر ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان معبودوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں (3)۔ قتادہ نے کہا: کفار دنیا میں ان کے لیے غضبناک ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفار ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں پس کفار ان کے لیے لشکر کے حکم میں ہوتے ہیں جبکہ یہ

1۔ دیوان عنترہ، صفحہ 12 2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 293 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 357

معبودان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معبودان باطلہ، اپنے عبادت گذاروں کے لشکر ہوں گے ان کے ساتھ جہنم میں حاضر ہوں گے ان میں سے بعض کا دفاع نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے بت جہنم میں ان کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کے لشکر ہوں گے کیونکہ یہ بت ان مشرکوں پر لعن طعن کریں گے اور ان کی عبادت سے براءت کا اظہار کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معبودان باطلہ ان کے لشکر ہوں گے قیامت کے روز انہیں حاضر کیا جائیگا تا کہ یہ بت ان کے گمانات میں ان کی مدد کریں۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''یہ قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کیا کرتی تھی اسے ایک مثالی صورت دی جائیگی وہ قوم جہنم کی طرف اس معبود کے پیچھے پیچھے چلے گی پس وہ کفار ان کے حاضر لشکر ہوں گے''۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ترمذی شریف میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ قوموں کو کھلے میدان مین جمع کرے گا پھر اللہ رب العالمین ان کی طرف جھانکے گا ارشاد فرمائے گا: خبردار! ہر انسان اس کے پیچھے چلے جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا، صلیب کی پوجا کرنے والے کے لیے صلیب کو مثالی صورت دی جائے گی، تصاویر کی پوجا کرنے والے کے لیے تصویر کو مثالی صورت دی جائیگی اور آگ کی پرستش کرنے والے کے لیے آگ کو مثالی صورت دی جائے گی تو جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے وہ ان کے پیچھے چلیں گے اور مسلمان باقی رہ جائیں گے (1)'' اور طویل حدیث ذکر کی۔

اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گفتگو غمگین نہ کرے یَحْزُنْكَ کو مجرد سے معروف پڑھنا یہ فصیح لغت ہے عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: یُحزنك اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے یعنی ان کا یہ کہنا: وہ شاعر ہے، جادوگر ہے تجھے غمگین نہ کرے گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ قول و عمل کو جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور جسے وہ ظاہر کرتے ہیں پس ہم اس کے مطابق انہیں بدلہ دیں گے۔

اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

''کیا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ ہمارا کھلا دشمن بن بیٹھا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان سے مراد عبداللہ بن ابی ہے (2)۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ عاصی بن وائل سہمی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ ابی بن خلف جمحی ہے؛ یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ ابن وہب نے اسے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

نطفہ سے مراد تھوڑا سا پانی ہے نطف سے مراد ہے جب وہ ٹپکائے۔ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ سے مراد ہے (3) وہ خصومت میں

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ما جاء في خلود أهل الجنة وأهل النار، جلد 2، صفحہ 79، ایضاً، حدیث 2480، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ احکام القرآن للطبری، جز 23، صفحہ 38 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 33

جدال کرنے والے اور حجت کو بیان کرنے والا ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ بعد اس کے کہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا اب جھگڑنے والا اور حجت کو بیان کرنے ولا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک پرانی ہڈی لایا اس نے کہا: اے محمد! کیا تیری یہ رائے ہے کہ اس ہڈی کے بوسیدہ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں اللہ تعالیٰ تجھے زندہ کرے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا☆'' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ۝ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ۝

''اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لیے عجیب وغریب مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا ہے اپنی پیدائش کو، گستاخ کہتا ہے: اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟ آپ فرمایئے: اے گستاخ! اس زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وہ بھول گیا کہ ہم نے اسے مردہ نطفہ سے پیدا کیا اور ہم نے اس میں زندگی کو رکھ دیا یعنی اس کی ذات میں ہی جواب موجود ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا(1)'' اس میں قیاس کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منکرین بعث کے خلاف پہلی دفعہ پیدا کرنے سے استدلال کیا ہے۔

رَمِیْمٌ کا معنی بوسیدہ ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: رَمَّ العظمُ فھو رَمِیمٌ و رِمَام۔ رمیم فرمایا رمیمہ نہیں کہا کیونکہ یہ فاعلۃ سے معدول ہے جو کلمہ اپنے وزن سے معدول ہوا سے اعراب سے بھی پھیر دیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ۝ (مریم) بَغِیًّا کے آخر سے یاء کو گرا دیا کیونکہ اسے باغیۃ سے پھیرا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کافر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: بتایئے اگر میں اسے پیس دوں اور ہوا میں بکھیر دوں کیا اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا(2)؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی فرما دیجئے: وہ ذات اسے زندہ کرے گی جس نے اسے پہلی بار بغیر مثال کے پیدا کیا تو وہ دوبارہ کسی شے کو پیدا کرنے پر بدرجہ اولی قادر ہے(3) وہ شے عَجْمُ الذَّنَب ہے اسے عَجْبُ الذَّنَب بھی کہتے ہیں۔ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ۝ وہ ہر چیز کو جانتا ہے یعنی کیسے اسے پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور کیسے اسے دوبارہ پیدا کرتا ہے(4)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ ہڈیوں میں زندگی ہے اور موت کے ساتھ وہ ناپاک ہو جاتی ہیں؛ یہ امام ابوحنیفہ اور بعض اصحاب شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: ہڈی میں کوئی زندگی نہیں۔ یہ بحث سورۂ نحل میں پہلے گذر چکی ہے۔

اگر یہ کہا جائے: اللہ تعالیٰ نے مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ سے مراد اصحاب عظام لیے ہیں اور مضاف الیہ کا مضاف کی جگہ واقع ہونا

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 553　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 33　4۔ ایضاً　☆ تفسیر طبری، الدر المنثور

لغت میں بہت زیادہ ہے اور شریعت میں بھی موجود ہے۔

ہم کہتے ہیں: یہ اس وقت ہوتا ہے جب ضرورت ہو جبکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں جو اس اضمار کا باعث ہو یہاں تک کہ اس تقدیر کلام کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے اور وہ اس پر قادر ہے حقیقت اس کی گواہی دیتی ہے کیونکہ احساس جو زندگی کی علامت ہے اس میں موجود ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ۝۸۱ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝۸۲ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۳

’’جس نے اپنی حکمت سے رکھ دی تمہارے لیے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی چھوٹی سے مخلوق بے شک وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس۔ وہ ہر عیب سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائیگا‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر متنبہ فرمایا اور مردوں کو زندہ کرنے کے ساتھ اپنی کمال قدرت پر دلیل قائم کی ان چیزوں سے جنہیں وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ تر لکڑی سے ایسی چیز نکالی جو جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور خشک ہوتی ہے اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ کافر نے کہا: نطفہ زندگی کی طبعیت کی وجہ سے گرم تر ہے اور ہڈی موت کی طبیعت کی بنا پر ٹھنڈی اور خشک ہے تو اس سے زندگی کیسے نکلتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ سرسبز درخت پانی سے جنم لیتا ہے پانی ٹھنڈا تر ہے جو آگ کی ضد ہے یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ نے اس سے آگ کو پیدا کیا تو وہ اس پر قادر ہے کہ ضد کو ضد سے نکالے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے مراد مَرْخ اور عفار میں جو آگ ہے، یہ عربوں کی زناد ہے؛ اسی سے ان کا قول ہے: فی کل شجر نار واستمجد المَرْخُ والعَفار۔(1) ہر درخت میں آگ ہے مرخ اور عفار نے خوب حصہ لیا عفار کو زند کہتے ہیں یہ اوپر والی لکڑی ہے مرخ زندہ ہے یہ نیچے والی لکڑی ہے؛ دونوں سے دو ٹہنیاں لی جاتی ہیں جس طرح دو مسواک ہوتے ہیں دونوں پانی گرا رہی ہوتی ہیں ایک کو دوسری کے ساتھ رگڑا جاتا ہے تو ان دونوں سے آگ نکلتی ہے۔

الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ فرمایا الخضراء نہیں فرمایا جبکہ یہ جمع ہے(2) کیونکہ اسے (الأخضر) کے لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ عربوں میں سے کچھ یہ بھی کہتے ہیں: الشجر الخضراء جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمٰلِـُٔوْنَ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 31　2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 295

مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾ (الواقعہ) پھر اللہ تعالیٰ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: اَوَ لَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ، مثلھم سے مراد بعث کا انکار کرنے والوں کی مثل ہے سلام، ابو منذر اور یعقوب حضرمی نے یَقۡدِرُ علی ان یخلق مثلھم پڑھا ہے کہ یقدر فعل ہے۔ بَلٰى: کیوں نہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق ان کو پیدا کرنے سے بہت بڑھ کر ہے وہ ذات پاک جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ انہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۱﴾ وہ خلاق و علیم ہے حضرت حسن بصری نے اسے خالق پڑھا ہے(1)۔

کسائی نے فیکون نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا عطف یقول پر ہے یعنی جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مشقت و تھکاوٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی عجز و انکساری سے پاکی بیان کی ہے ملکوت اور ملکوتی عربوں کے کلام ہیں ملک کے معنی میں ہے عرب کہتے ہیں: جبروتی خیر من رحموتی۔ میرا جبروت، میرا رحموت سے بہتر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ سے مراد ہر شے کی چابیاں ہیں۔ طلحہ بن مصرف، ابراہیم تیمی اور اعمش نے اسے ملکۃ پڑھا ہے یہ ملکوت کے معنی میں ہے مگر یہ مصحف کے خلاف ہے۔

وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾ تمہاری موت کے بعد اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا عام قراءت تاء کے ساتھ ہے اور خطاب کا صیغہ ہے۔ سلمی، زر بن حبیش اور حضرت عبداللہ کے شاگردوں نے یرجعون پڑھا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 295